مجلّہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایما اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

ماهنامه ________ لاهور

خط و کتابت

ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)

25 بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660

ٹیلی فون : 876219

فیکس : 42-876219

انتظامیہ ادارہ طلوع اسلام

چیئرمین:۔ بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) اعزاز الدین احمد خاں

ناظم:۔ محمد لطیف چوہدری

مدیر مسئول:۔ محمد لطیف چوہدری

مجلس ادارت:۔ میجر محمد یوسف ڈار۔ محمد عمر دراز

ناشر:۔ عطاء الرحمٰن ارائیں

طابع:۔ خالد منصور نسیم

مطبع:۔ النور پرنٹرز و پبلشرز

3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور۔ 54500

مقام اشاعت:۔ B-25 گلبرگ 2 - لاہور۔ 54500

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ	3
ہم اور ہماری نژاد نو	محمد لطیف چوہدری	8
سالار انسانیتؐ	صفدر سلیمیؒ	14
فریضۂ رسالت	بشیر احمد عابد	23
کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے	محمد سلیم قمر	36
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے	عاصمہ فردوس نقوی	48
عمل سے زندگی بنتی ہے	صائمہ حمید	54
ذکر الٰہی	حسین امیر فرہاد	57
مسجدیں امامت سے خالی کیوں ہیں	حافظ محمد یعقوب تاجیک	59
تحریک طلوع اسلام	ادارہ	63
آؤ کوئی خواب بنیں کل کے واسطے	عظمت ناز	64
مرنے کے بعد (انگریزی)	ڈاکٹر سید عبدالودود	80

جلد 48 — شمارہ 1 — جنوری 1995ء

بدل اشتراک

فی پرچہ -/10 روپے — اندرون ملک سالانہ 120 روپے — بیرون ملک : 18 امریکی ڈالر

welcome
1995

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

نفاذ شریعت

مالا کنڈ اور باجوڑ میں تحریک نفاذ شریعت کے دوران خونریزی پر پنجاب اسمبلی میں حکومت اور اپوزیشن دونوں کی جانب سے متفقہ طور پر قرار داد پیش ہوئی۔ قرارداد پیش کئے جانے سے منظوری کے مرحلے تک مسلسل دو گھنٹے ایوان 'مچھلی منڈی' کا نمونہ پیش کرتا رہا اس دوران حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے ارکان اسمبلی نے بازو چڑھا لئے۔ ایک دوسرے کے خلاف دشنام طرازی کی بوچھاڑ کر دی۔ ایک دوسرے کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دیں--- دونوں فریقین سپیکر کی اجازت کے بغیر براہ راست ایک دوسرے کے خلاف سخت زبان استعمال کرتے رہے۔

یہ تفصیل ملک کے تمام اخبارات اور 'نوائے وقت' لاہور نے اپنی 15 نومبر 94ء کی اشاعت میں شائع کی۔ یہ معرکہ آرائی انتہائی نازک' اہم اور حساس موضوع پر اور ایسی قرار داد پر بحث کے دوران پیش آئی جسے حکومت اور اپوزیشن دونوں کی حمایت حاصل تھی--- اس ایوان میں پیش آئی جو انتہائی معتبر اور پروقار سنجیدگی کا آئینہ دار ہوتا ہے اور جہاں قوم کے نمائندے اپنی قومی ذمہ داریوں کو پورا کیا کرتے ہیں---- اور ان لوگوں کے درمیان پیش آئی جنہیں قوم نے اپنا نجات دہندہ سمجھ کر نمائندہ منتخب کیا اور اپنے سے بہتر اور افضل جانا تھا۔ دنیا میں کوئی بھی قوم انہی منتخب نمائندوں کے ذریعے سے جانی اور پہچانی جاتی ہے۔

پنجاب اسمبلی میں جو کچھ دنیا نے دیکھا وہی ہمارا سر ندامت سے جھکا دینے کے لئے کافی ہے لیکن ہمارا موضوع اسمبلی میں طنز و تضحیک اور ہاتھا پائی نہیں بلکہ وہ قرار داد ہے جو منظوری کے لئے پیش کی گئی اور جس کا تعلق تحریک نفاذ شریعت اور اس کے انتہائی اقدام سے ہے۔

2- نومبر 94ء کو ایک شخص صوفی محمد نے مالا کنڈ کی پہاڑیوں سے اذان بلند کی اور "اللہ کی سرزمین پہ اللہ کے قانون" کا اعلان ہی نہیں کیا ساتھ ہی مسلح کاروائی بھی شروع کر دی۔ دو ہزار پانچ سو مسلح کارکنوں نے سوات کے سب ڈویژنل ہیڈ کوارٹر پر قبضہ کر لیا اور متعدد حکومتی اہل کاروں کو یرغمال بنا لیا۔ جن میں جج۔ ایک ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور پولیس کا ایک ڈی ایس پی بھی شامل تھا--- پیپلز پارٹی کے

ایم پی اے بدیع الزمان کو ہلاک کر ڈالا اور صوبائی وزیر ڈاکٹر محبوب الرحمٰن کی رہائش کا گھیراؤ کر لیا۔ تحریک کے کارکنوں نے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر مورچے سنبھال لئے اور سڑکیں بلاک کر دیں۔ میجر جنرل فضل غفور پر جو ایک ہیلی کاپٹر میں پرواز کر رہے تھے' گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور نتیجہ میں انہیں ایمرجنسی یا کریش لینڈنگ کرنا پڑی—— پانچ نومبر تک یہ تمام علاقہ پورے ملک سے کٹا رہا یہاں تک کہ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ آفتاب احمد شیر پاؤ کو مالا کنڈ ڈویژن میں اسلامی قانون کے نفاذ کا جلسہ عام میں اعلان کرنا پڑا۔

صوفی محمد صاحب نے محاصرہ ختم کرنے اور تمام رکاوٹیں دور کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ اگر حکومت نے وعدہ خلافی کی تو وہ پھر ایسا ہی کریں گے۔

ہمیں یقین ہے کہ حکومت پاکستان کی اس تمام صورت حال پر گہری نظر ہو گی اور وہ معاملہ کی نزاکت سے غافل نہیں رہے گی لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ سارا واقعہ اچانک ظہور پذیر ہوا یا حکومت پہلے سے باخبر تھی لیکن اس نے اس کی اہمیت اور سنگینی کو محسوس نہیں کیا تھا۔ دوسرے یہ کہ صوفی محمد صاحب کس قسم کی شریعت نافذ کرنا چاہتے ہیں؟۔ شریعت الٰہی یعنی قرآن حکیم کا نفاذ یا کسی خاص فقہ اور فرقے کی شریعت؟ اور حکومت پاکستان نے کس شریعت کے نفاذ کا وعدہ کیا ہے اور اگر یہ وعدہ پورا نہ کیا جا سکا تو کیا حکومت متحدہ قبائل کے ہزاروں مسلح افراد کی 'بغاوت' کا سامنا کر سکے گی؟ اور اس وقت داخلی اور خارجی محاذ پر ملک کو جو مسائل درپیش ہیں ان سے نبرد آزما ہو سکے گی؟

یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ جو واقعہ 2 نومبر 94ء کو پیش آیا اور جس میں ایک محتاط اندازے کے مطابق ستر سے زائد افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہو گئے اچانک رونما نہیں ہوا بلکہ بہت پہلے سے حکومت اس سے باخبر تھی۔ صوفی محمد صاحب نے جو تنظیم نفاذ شریعت محمدیؐ کے متفقہ طور پر قائد ہیں اس تنظیم کو 1989ء میں ضلع دیر میں قائم کیا تھا اور پشاور پریس کلب میں پرہجوم اخباری پریس کانفرنس میں اپنے مطالبات پیش کئے تھے۔ 3 مئی 94ء کو صوفی محمد صاحب نے جو جماعت اسلامی کے تیس سال تک رکن بھی رہے ہیں بی بی سی کو ایک طویل انٹرویو دیتے ہوئے حکومت پاکستان سے واضح طور پر کہا تھا کہ نفاذ شریعت کے معاملے میں حکومت کے تاخیری حربوں نے ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا ہے۔ 11 مئی کو تحریک کے کارکنوں نے بھرپور عملی مظاہرہ کیا اور ہزاروں کی تعداد میں جدید اسلحہ سے لیس ہو کر مالا کنڈ کو ایک ہفتہ تک بلاک کئے رکھا۔ 16 مئی کو حکومت کے اہلکاروں اور تحریک کے کارکنوں میں باقاعدہ تصادم ہوا اور بارہ افراد ہلاک اور بائیس زخمی ہوئے۔ صدر پاکستان سردار فاروق احمد لغاری نے 'جنگ نیوز پینل' کو بتایا کہ وہ صوفی محمد صاحب کے مطالبات اور تمام متنازعہ صورت حال سے باخبر ہیں

لیکن شریعت نافذ کرنے کا اختیار ان کے پاس نہیں ہے۔

16 جون کو ایک عوامی جلسے میں صوفی محمد صاحب نے نفاذ شریعت کے لئے حکومت کو ڈیڈ لائن دیدی اور اعلان کر دیا کہ 5 جولائی تک اگر مالا کنڈ ڈویژن میں شریعت نافذ نہ کی گئی تو وہ تمام ضلعی انتظامیہ پر قبضہ کر لیں گے۔ 17 جولائی کو گورنر ہاؤس پشاور میں اعلیٰ سطحی اجلاس ہوا جس میں گورنر سرحد میجر جنرل ریٹائرڈ خورشید علی خان' وزیر داخلہ میجر جنرل نصیر اللہ بابر' وزیر قانون سید اقبال حیدر' وزیر اعلیٰ آفتاب شیر پاؤ اور اٹارنی جنرل نے صوفی محمد صاحب کے مطالبات اور معاملے کی نزاکت کا ہر ہر پہلو سے جائزہ لیا لیکن کسی ٹھوس نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ اس دوران تصادم ہو گیا جس میں تحریک کے تین کارکن ہلاک اور درجنوں زخمی ہو گئے اور تحریک کی طرف سے جہاد کی کال دیدی گئی۔ اس اثنا میں تحریک کے ہزاروں کارکن مورچہ بند ہونے شروع ہو گئے' اسلحہ اکٹھا کیا جانے لگا۔ 'شریعت یا شہادت' کے نعروں سے پورا مالا کنڈ ڈویژن گونجتا رہا لیکن حکومت اسے محض دھمکی سمجھتی رہی اور صورت حال کی نزاکت کو محسوس نہ کیا۔ اگر حکومت بروقت اس کا نوٹس لیتی اور افہام و تفہیم کی جانب راہ نکال لیتی تو نہ اتنا خون خرابہ ہوتا نہ وزیراعلیٰ سرحد کو جلسہ عام میں تحریک کا مطالبہ تسلیم کر لینے کی ہزیمت اٹھانا پڑتی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا کسی صوبہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ملکی قانون کے علی الرغم کسی بھی علاقہ میں کوئی دوسرا قانون نافذ کر سکے یا صوبائی سطح پر کوئی وعدہ ہی کر لے جبکہ ملک کے صدر واضح طور پر اعلان کر چکے ہیں کہ ان کے پاس بھی ایسا کوئی اختیار نہیں ہے۔ پاکستان ایک جمہوری ملک ہے' جس میں ایک ایسا قانون ساز ادارہ ہے جو ملک کے منتخب نمائندوں کے مشورے سے قانون سازی کا اختیار رکھتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ پاکستان کے آئین کے مطابق پاکستان کا سرکاری مذہب صرف اور صرف اسلام ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اڑتالیس سال میں یہاں جتنے بھی حکمران آئے وہ کوشش کے باوجود اسلامی قوانین کو نافذ کرنے میں ناکام رہے اس کی بڑی وجہ پاکستان کے آئین میں "قرآن و سنت" کی اصطلاح ہے جس کی بقول مولانا مودودی کوئی ایسی تعبیر ممکن نہیں ہے جو پبلک لاز کے معاملہ میں' حنفیوں' شیعوں اور اہل حدیث کے درمیاں متفق علیہ ہو (ایشیا 23 اگست 1970)

روزنامہ جنگ لاہور نے اپنے اداریتی کالموں میں مالا کنڈ ڈویژن میں ہونے والے واقعات کا جائزہ لیتے ہوئے بالکل ٹھیک لکھا تھا کہ نفاذ شریعت کا معاملہ مالا کنڈ نہیں بلکہ پورے ملک کے لوگوں کے دل کی آواز ہے اور مختلف مغربی نظام ہائے حکومت کے تجربے کے دوران سماجی اور معاشی انصاف کے حصول میں ناکامی کے بعد ان کی اس آرزو میں شدت پیدا ہو گئی ہے لیکن سوچنا یہ ہے کہ اگر کسی مخصوص مکتب فکر کی تعبیر کے مطابق نفاذ شریعت کا ڈول ڈالا گیا تو اس سے ملک میں جس قدر فرقہ بندی موجود ہے اس

کے پیش نظر یہ مطالبات کہاں کہاں سے اٹھیں گے اور اس سے ملک کی سلامتی کو کس قدر خطرات کا سامنا ہو گا اس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہاں پرسنل لاز کے متعلق یہ تسلیم کر لیا گیا ہے (اور اسے دستور پاکستان میں بھی شامل کر لیا گیا ہے) کہ یہ ہر فرقے کے اپنے اپنے ہونگے۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ 'کتاب و سنت' کی رو سے پرسنل لاز کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں کیا جاسکتا جو سب فرقوں کے نزدیک اسلامی قرار پا سکے۔ جب پرسنل لاز کے متعلق صورت حال یہ ہے تو کیا اسے باور کیا جا سکتا ہے کہ کتاب و سنت کی رو سے پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب کیا جا سکے جسے تمام فرقے اسلامی تسلیم کر لیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ

(1) کتاب و سنت کی رو سے کوئی متفق علیہ ضابطہ قوانین بن نہیں سکتا اور

(2) فقہی قوانین کو مختلف فرقے تسلیم نہیں کرتے۔

اس سے ملک کی جو حالت ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ اس خطرہ کو نہ ارباب دانش و بینش محسوس کرتے ہیں' نہ اعیان حل و عقد۔ ایسا نظر آتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اس مسئلہ کو سنجیدگی سے لے ہی نہیں رہا۔ اس کا حل اس کے سوا کچھ نہیں کہ قانون کا معیار خدا کی کتاب کو قرار دیا جائے۔ جو سب فرقوں کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

قتل و غارتگری

یہ بدنصیب ملک' فساد و خونریزی کی جس لہر میں گرفتار ہو رہا ہے اسکا حالیہ تلاطم کراچی میں قتل و غارتگری کی شکل میں نمودار ہو رہا ہے۔ ہماری مملکت اسلامی کہلاتی ہے اور یہاں رہنے والے مسلمان جس کتاب خداوندی کی نسبت سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں' اس کا ارشاد ہے کہ جس کسی نے ایک نفس کو بھی ناحق قتل کر دیا' اس نے گویا پوری کی پوری نوع انسانی کو قتل کر دیا (5:32)

مسلمانوں کو جس کی تنذیر یہ ہے کہ جس نے کسی ایک مسلمان کو بھی بالارادہ قتل کر دیا تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ (ہمیشہ) رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہو گی۔ خدا نے اس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے (4:93)۔ ایسے ملک اور ایسی قوم میں اس قسم کے قتل ناحق کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ نہ ہمارا خدا پر ایمان ہے نہ اس کی کتاب کا کوئی احترام۔ نتیجہ اس کا یہ کہ نہ صرف ہم خدا کے غضب میں گرفتار ہیں بلکہ ہماری وجہ سے دنیا میں اسلام بھی بدنام ہو رہا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مجرموں کو قانون کے مطابق قرار واقعی سزا ملنی چاہئے کیونکہ قوم کی زندگی کا راز قانون کی محکم گرفت اور عدل کی بے رو رعایت کارفرمائی میں پوشیدہ ہے (2:179) لیکن بات اس ایک شہر

کی نہیں۔ یہاں قتل و غارت گری قوم کا مزاج بنتا جا رہا ہے۔ اصل سوال اس جنون کے علاج کا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی مرض ہے' جس میں ملک کا کثیر طبقہ مبتلا ہو رہا ہے۔

جب تک اس مرض کا علاج نہیں کیا جائیگا۔ ملک میں امن قائم نہیں ہو سکے گا۔ سانحات و حادثات کے وجوہ مقامی بھی ہو سکتے ہیں اور انفرادی بھی۔ لیکن جب یہ مرض ایک وبا کی شکل اختیار کر جائے تو اس کے اسباب کی بنیادیں بڑی گہری ہوتی ہیں۔ ان اسباب کی تحقیق و تشخیص بڑے گہرے مطالعہ اور فکر و تدبر کی محتاج ہوتی ہے اور اس کے علاج کا مرحلہ بڑا ہی ہمت طلب اور صبر آزما۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم موجودہ ہنگاموں کی اثر پذیری سے الگ ہٹ کر ان اسباب و وجوہ کی تحقیق کریں اور ان کے ازالہ و تدارک کی فکر۔ یہ چیز قوم میں نفسیاتی تبدیلی' صحیح تعلیم و تربیت اور ایسے مساعد ماحول کے بغیر ناممکن ہے جس میں نہ کوئی فرد کسی قسم کا خوف و حزن محسوس کرے اور نہ ہی بیم و رجا کی کشمکش میں گرفتار رہے۔ قرآن ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے۔

کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درس قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

	دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء سٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ	جمعۃ المبارک 10 بجے صبح
حیدر آباد	12-B حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعۃ المبارک بعد نماز عصر

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ' مجلّہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35% رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ: ایاز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر' بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)

ٹیلی فون: کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم اور ہماری نژاد نو

(مرتبہ محمد لطیف چوہدری)

طلوع اسلام کے زیر اہتمام 4 اور 5 نومبر 1994ء کو جناح ہال لاہور میں ہونے والے کل پاکستان مقابلہ مضمون نگاری میں حصہ لینے والے طلباء و طالبات کے مضامین سے چند اقتباسات جن سے ہماری نژاد نو کی سوچ کا اندازہ لگانا مشکل نہ ہو گا (ایڈیٹر)

اے قرآن کا نام لینے والے لوگو !_____ اے ہم سے سوال کرنے والے بزرگو !_____ نئی نسل کے ہم جوان اور بچے آپ کی طرف حیرت سے دیکھتے اور تعجب سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے ہم کو دیا کیا ہے؟ انسانوں کی بنائی ہوئی شریعتیں اور مسلک؟ ہم سے اگر کوئی سوال کرنا ہے تو اپنی ہی دی ہوئی شریعتوں اور مسلکوں کے متعلق سوال کیجئے۔ ہم سے یہ پوچھئے کہ ہماری خودی' شیعہ کیوں نہیں ہے؟ سنی یا دیو بندی' بریلوی کیوں نہیں ہے؟ جو پڑھایا اور بتایا ہی نہیں امتحان میں اس سوال کا جواب ہم کیا دیں؟۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اسلامی معاشرے کا قیام' اقتصادی و سیاسی استحکام یا پھر انسانیت کے وسیع تر مفادات کا تحفظ۔ ان سب مقاصد کے حصول کے لئے ہمارے ہاں نہ قوت بازو کی کمی ہے نہ ذہنی صلاحیتوں کا فقدان۔۔۔ ہماری ناکامیوں کا سبب ہماری اپنی بے علمی ہے اور اس پر بھی ہم شکوہ سنج ہیں کہ

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

ذوق عمل سے عاری مسلمانوں پر اور گرتا بھی تو کیا ؟۔ یہ وہی مسلمان ہے جس کے لئے اقبال نے کہا تھا کہ

ہر اک مقام سے آگے مقام تیرا
حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں

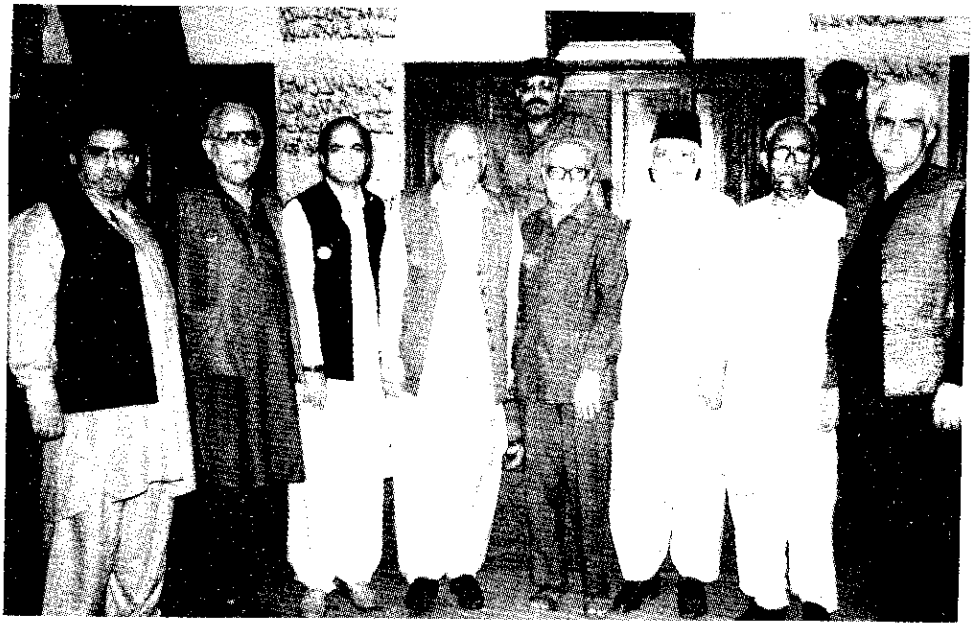

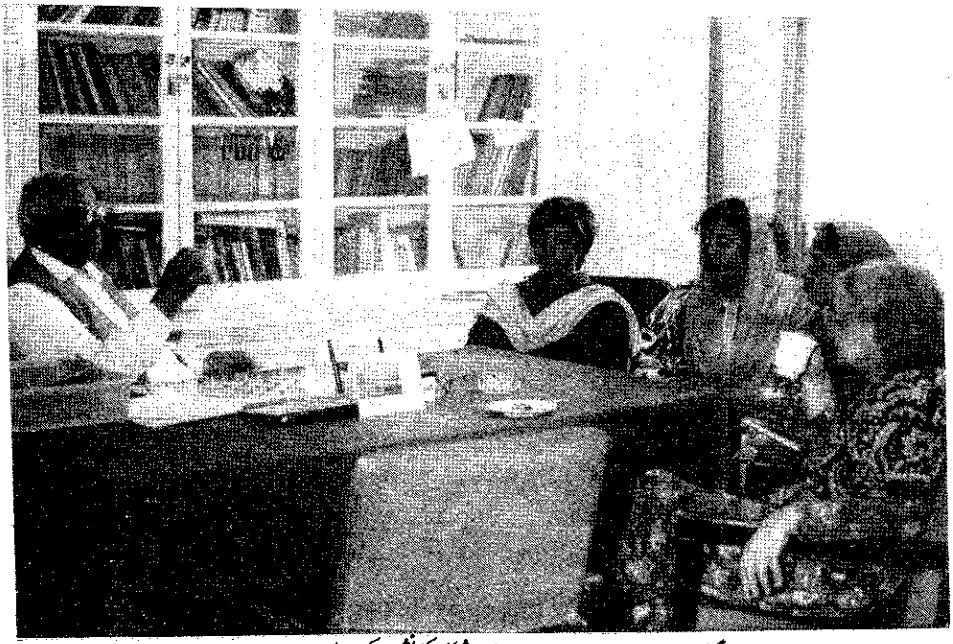

اوپر : چیئرمین ادارہ بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) اعزاز الدین احمد خان شرکاء کنونشن کے ہمراہ
چیئرمین صاحب کے دائیں جانب کراچی و حیدر آباد بزم کے نمائندہ جناب ایاز حسین انصاری کھڑے ہیں۔
نیچے : چیئرمین ادارہ بچیوں کے سوالات کے جواب دے رہے ہیں۔ بچیوں کے ساتھ محترمہ شمیم انور صاحبہ تشریف فرما ہیں۔

اسے معلوم تھا کہ عمل کا انحصار ذوق تمنا کی بے تابیوں پر ہے۔ اگر یہ بے تابیاں رخصت ہو گئیں تو نئی منزلیں بھی کھو جائیں گی۔۔۔۔ اس کا یہ حیات بخش پیغام فضا میں آج بھی اسی طرح گونج رہا ہے ۔

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اسلام ایک وحدت تھا اور ہماری خودی' رگ اسلام میں دوڑتا ہوا لہو۔۔۔۔ اسلام فرقہ فرقہ ہو گیا' اس کی وحدت توڑ دی گئی تو فرقے ایمان بن گئے۔ اسلام غائب ہو گیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یاد رکھیں رزق آسمان سے نہیں برستا۔ ہر ذی روح کا فرض ہے کہ وہ قوانین فطرت کا اتباع کرے اور وسائل رزق سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے اور اپنے وابستگان کے لئے روزی پیدا کرے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ذرا عہد رفتہ کو آواز دیں۔ ہندو اکثریت نے اپنا سرمایہ' تجارت' تعلیم' اور اخبار اس قندیل قرآنی کو بجھانے میں صرف کر دیئے تھے۔ مخالفت کا دوسرا عنصر سفید فرنگی تھا جو کبھی حیرت سے سفید اور کبھی غصے سے سرخ ہو جاتا' کیونکہ اس کا جدید "نظریہ نیشنلزم" ہمارے "دو قومی نظریے" سے میل نہ کھاتا تھا۔

مندر اور کلیسا کے بعد کچھ مخالفت ڈیڑھ اینٹ کی مسجدوں سے بھی ہوئی۔ اس میں "تحریک طلوع اسلام" کے رہبر فرزانہ پرویزؒ نے اقبالؒ کی ہمنوائی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے روح پرور خواب دیکھے اور ان خوابوں کی تعبیر ڈھونڈنے میں متاع زندگی وقف کر دی۔

اس گئے گذرے دور میں بھی جب ہمارے امیر مال مست اور ہمارے فقیر حال مست۔ بندہ کوچہ گرد اور خواجہ بلند بام تھا۔ اسلام کے ابدی اصول "دو قومی نظریہ" نے مندر' کلیسا اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجدوں کی بساط الٹ دی تو یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ "اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اسلام کی شکل بگڑی تو ہم بھی مسلمان نہ رہے۔ شیعہ بن گئے۔ سنی ہو گئے۔ اہلحدیث' اہل قرآن' ور وہابی کہلانے پر فخر کرنے لگے۔ ہماری پہچان' ہماری شناخت' ہمارا مرنا جینا سب کچھ اپنے اپنے فرقے کے مطابق ہونے لگا۔ اسلام اور قرآن درمیان سے غائب ہو گیا۔ اس سے کوئی واسطہ ہی نہ رہا۔

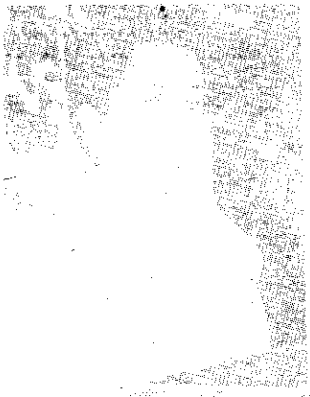

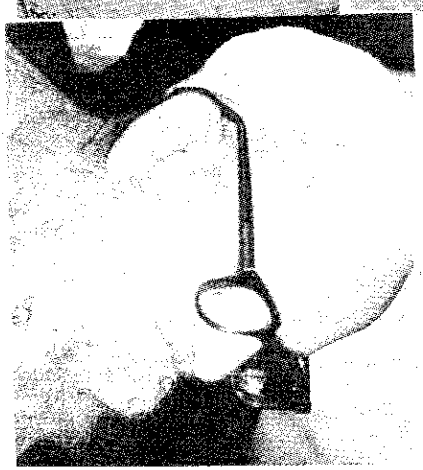

اوپر : یونیورسٹی، کالج اور سکول لیول کی اول آنے والی طالبات بائیں سے دائیں
مس شان زہرہ، مس عامعہ فردوس نقوی اور مس عمارہ مہرین

درمیان : یونیورسٹی، کالج اور سکول لیول کی تیسرے نمبر پر آنے والے شرکاء بائیں سے دائیں
مس گوہر طوسی، مسٹر شہباز گل اور مس تابندہ قمر
(دوئم آنے والے طلباء کی تصاویر ہنوز فراہم نہیں ہو سکیں)

نیچے : شرکاء کنونشن میں بچوں اور بوڑھوں کے نمائندگان

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اب ہمارے لئے راستہ کھلا ہے۔ تاریخ کے اس دوراہے پر ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم نے اپنے عمل سے زندگی کو زندگی بخشنی ہے یا پھر اس دنیا کو جہنم بنانا ہے۔

ہمیں اپنے عمل سے قندیل قرآنی کو روشن رکھنا ہے یا قرآنی تعلیمات سے منہ موڑ کر غلامی اور ذلت کا طوق پہننا ہے۔ اکیسویں صدی کا استقبال ہم نے لادینی نظریات' غیروں کی غلامی' منشیات کے سیلاب' جہالت' غربت اور گمراہی سے کرنا ہے یا اکیسویں صدی کے تقاضے پورے کرنے کے لئے بے عملی ترک کر کے جدوجہد کا راستہ اپنانا ہے۔ فیصلہ میرے اور آپ کے اختیار میں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

خودی وہ الوہی توانائی (Divine Energy) ہے جو ہر انسان کو ذات کی شکل میں ملتی ہے۔ اس پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلم ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ نے یہ' ہر ذی نفس کو عطا کی ہے اور اسی نے آخرت کا گرم سرد دیکھنا اور چکھنا ہے۔ تکمیل انسانیت' عالمی امن اور آسودگی قلب کے لئے اس کا Develop ہونا بہت ضروری ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اگر ہماری بربادیوں کے مشورے آسمانوں میں ہو رہے ہیں تو آیئے اپنے عمل سے اپنی تقدیر بدل ڈالیں۔ حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی بداعمالیوں کی ذمہ داری اپنے سر لیں اور مستقبل میں اصلاح احوال کے لئے آمادہ عمل ہو جائیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یہ تعلی نہیں ـــــ خود فریبی نہیں ـــــ جنت الحمقا نہیں ـــــ بڑی واضح' الم نشرح اور واضح حقیقت ہے کہ خودی مسلمان ہو جائے تو کائنات اپنے جملہ راز ہمارے سامنے رکھ دیتی ہے۔ نہ انسان خدا کو دیکھنے کا متمنی ہوتا ہے۔ اور نہ ادھر سے "ناممکن" کا جواب ملتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"جس شخص کا ایمان اپنی ذات پر نہیں اس کا' اللہ پر ایمان لانا کچھ معنی نہیں رکھتا"۔ (59/20)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اقبالؒ کی شاعری مسلمانوں کی سوئی ہوئی خودی کو بیدار کرنے کا ایک ہتھیار ہے۔ نفسانفسی کے اس

عالم میں ہر درد مند دل یہی چاہتا ہے کہ مسلمانوں کی آنکھیں ندیوں کی طرح بہہ جائیں' دل تنور کی طرح بھڑک اٹھیں' زبانیں دیوانوں کی طرح چیخ اٹھیں اور مسلمانوں کی پستی جو مدتوں سے آباد چلی آرہی ہے۔ اس طرح اجڑے کہ پھر کبھی آباد نہ ہو۔

کاش مسلمانوں کی خودی بیدار ہو جائے اور وہ دیکھ سکیں بے چراغ جھونپڑوں کی طرف' ہسپتالوں کے سامنے فٹ پاتھوں پر سسک سسک کر مرنے والے لاعلاج مریضوں کی طرف' کشمیر میں ہونے والے ظلم و جبر کی طرف' روکھے سوکھے ٹکڑوں کو ترسنے والے غریب انسانوں کی طرف۔ اے کاش وہ دیکھیں پاکستان میں بڑھنے والی مہنگائی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی غربت کی طرف۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسلمانوں کی موجودہ حالت زار کی مثال تشنگی سے بے تاب اس پرندے کی ہے جو باغ میں پڑے بیرے کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو قطرہ آب سمجھ کر اس پر اپنی چونچ مارتا ہے۔ مگر سوائے یاس و حسرت کے اسے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ پھر اس کی نظر پھول کی پتی پر سورج کی روشنی میں لرزتے قطرہ شبنم پر پڑتی ہے وہ اس کی طرف لپکتا ہے اور اسے اپنے حلق میں اتار لیتا ہے۔

اس حکایت میں یہ راز پوشیدہ ہے کہ قوم ہو یا فرد اگر اپنی اصل (خودی) سے دور ہو جائے اور جسم و جان کو عیش و عشرت سے ابریشم بنا ڈالے تو زمانے کے چنگیز و ہلاکو کے حلق میں اسی طرح تر نوالے کی طرح اتر جاتا ہے جس طرح قطرہ آب تشنہ لب پرندے کے حلق میں اتر کر اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فرد کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ امکانی طاقتیں بخشی ہیں جن کی بدولت وہ خارجی احوال کو اپنی مرضی کے مطابق موڑتا ہے۔ ان پر قابو پاتا ہے اور ان کی تسخیر کرتا چلا جاتا ہے۔ فطرت اس کے راستے میں نت نئے ہنگامے کھڑے کرتی ہے' جس سے انسان کو ذوق عمل اور توانائی حاصل ہوتی ہے۔ انسان اپنے لئے خوب سے خوب تر کی تلاش کرتا ہے اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

○ ○ ○ ○ ○

حدیثِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میرے بعد تم سے بہت سی احادیث بیان کی جائینگی۔ سو جب کوئی حدیث میری طرف سے روایت کی جائے تو اسے کتاب اللہ کے سامنے پیش کرو۔ جو اس کے موافق ہو اسے قبول کر لو۔ جو اس کے خلاف ہو اسے رد کرو۔

(بحوالہ۔ حنفی اصول فقہ کی مستند کتاب التوضیح والتلویح صفحہ 480)

پر اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ سب مشاہیر کسی ایک ملک یا قوم کے زعیم تھے۔ ان کی عظمت کے شاہکار کسی مخصوص خطہ زمین، نسل اور قوم سے وابستہ تھے۔ ان کی خدمات جلیلہ کا دائرہ جغرافیائی حد بندیوں میں محدود رہا۔ انہوں نے عالمگیر انسانیت کے لئے نہ کوئی دعوت فکر و نظر پیش کی۔ نہ عالم آرا نصب العین کے لئے کوئی کارنامہ سرانجام دیا اور نہ کوئی ایسی یادگار چھوڑی جسے عالم انسانیت کا حقیقی سرمایہ قرار دیا جا سکے۔ جہاں تک تاریخ کی شہادت کا تعلق ہے اس قسم کا کوئی دعویٰ آج تک نوع انسانی کے سامنے نہیں آیا۔

عالمگیر انسانیتِ کی قیادت عظمیٰ لیکن ریگ زار عرب کے جس در یتیمؐ کا جشن میلاد آج دنیا میں منایا جا رہا ہے۔ جس داعیؐ انقلاب کی بارگاہ عظمت میں ہم آج خلوص و نیاز کی نذر پیش کر رہے ہیں اس کی داستانِ حیات اور کارفرمائیاں کسی خاص خطۂ زمین اور نسل سے وابستہ نہیں بلکہ اسؐ کی دعوتِ انقلاب میں پوری نوع انسانی کی سربلندیوں اور نفع مندیوں کا سامان موجود تھا۔ اسؐ کے نغمۂ حیات نے فاران کی چوٹیوں سے بلند ہو کر فضاؤں میں جو ارتعاش پیدا کیا وہ پورے کاروانِ انسانیت کے لئے بانگِ رحیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسؐ کی دعوتِ جہاد کو لبیک کہنے والے عرب کے حدی خوان ہی نہیں تھے بلکہ ان قطاروں میں حبش کے بلالؓ۔ روم کے صہیبؓ اور فارس کے سلمانؓ بھی صف آراء کھڑے تھے۔ اسؐ نے اولاد آدم کو جس مقصدِ حیات کی طرف بلایا وہ عربوں کے لئے ہی ابدی خوشگواریوں کی نوید جانفزا ثابت نہیں ہوا بلکہ عجم کے شبستان بھی اس کی جلوہ افروزی سے جگمگا اٹھے۔ اسؐ کے مقدس ہاتھوں نے عربوں ہی کی زنجیریں نہیں توڑیں بلکہ ایران و عراق اور روم و شام کی ملوکیت کے بندھنوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسؐ کے عطا کردہ تصورِ زندگی نے نوعِ انسانی کی طبیعی زندگی کو ہی حسن و جمال سے آراستہ نہیں کیا بلکہ طبیعی زندگی کی گہرائیوں میں محوِ خواب لازوال صلاحیتوں کو بھی وہ اُٹھان عطا کی کہ آدم اپنی فردوس گم گشتہ کو پانے اور اس زندگی کے بعد ابدی خوشحالیوں سے مالا مال ہونے کے قابل ہو گیا۔

بے مثال مقام و منصب ساڑھے تیرہ سو برس گذر گئے۔ اس عرصۂ دراز میں کاروانِ انسانیت نے نئے انقلابات کی کن کن کٹھن راہوں سے گذرا۔ دنیا کے نقشے کس طرح بار بار زیر و زبر ہوئے لیکن تاریخ کی پیشانی آج تک برابر انسانیت کے اس قافلہ کے سالارؐ کی عظمت کردار کے حضور میں جھکی ہوئی ہے۔ عرب و عجم کی مائیں ہزاروں برس میں اس فقید المثال اور نادر الوجود شخصیتؐ کا نقشِ ثانی پیدا نہ کر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سالارِ انسانیت

گردِاُو گردو حریم کائنات

(صفدر سلیمیؒ)

شاید ہی کوئی دن ایسا گذرتا ہو جب دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں کسی قومی زعیم کی یاد نہ منائی جاتی ہو- بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کی یاد' مذہبی راہ نماؤں اور روحانی پیشواؤں کی یاد- آزادی و استقلال کے قائدین اور مملکتوں کے بانیوں کی یاد' فوجی سپہ سالاروں اور شمع آزادی کے پروانوں کی یاد' فلسفہ و حکمت کے مفکرین اور داعیان انقلاب کی یاد- یہ تقریبات قوموں کی عظمت کے نشان اور ان کی تاریخ کا سرمایہ نازش و افتخار قرار پا گئی ہیں- ان یادگار قومی مواقع پر اپنے اپنے زعمائے قوم کے کارناموں کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے- ان کے آستانہ پر شردھا کے پھول چڑھائے جاتے ہیں- ان کے مجسموں کی آرائش و تزئین کی جاتی ہے- ان کی یاد میں شاعروں کے شاہنامے مرتب ہوتے ہیں- ان کی فتح مندیوں اور کامرانیوں کے گیت گائے جاتے ہیں-

عالمگیر قیادت کا مدعی کون؟ یہ سب کچھ ہوتا ہے اور انتہائی فخر و مباہات کے گرما گرم جذبات و احساسات سے سرانجام پاتا ہے- لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے' ان میں سے کسی ایک رہنما اور زعیم کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جاتا------ اور نہ کیا جا سکے گا----- کہ اس نے پوری نوع انسان کی نفع مندی اور سربلندی کے لئے کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام دیا ہو- عالم انسانیت کی فلاح و کشاد کا کوئی اجتماعی ضابطہ اور پروگرام تجویز کیا ہو- کوئی ایسا معرکہ بروئے کار لایا ہو جس کی بدولت اس کے اپنے ملک یا قوم کی نہیں' بلکہ اولاد آدم کی عالمگیر نشو و ارتقا کا سامان پیدا ہوا ہو- یقیناً سب کو' بہرحال اور بجا طور

سکیں جو حلیمہ سعدیہ کی آغوش میں پروان چڑھا یتیمی اور بے کسی کے یاس انگیز اور لرزہ فگن مراحل سے گذرا۔ قدم قدم پر آگ اور خون کے ہولناک محاربوں اور مقاتلوں سے دوچار ہوا لیکن اسؐ کے بڑھتے ہوئے قدم ایک لمحہ کے لئے بھی رک نہ سکے۔ اسؐ کے قدموں کی ایک ایک جنبش سے' حرکت اور عمل کے حیات آفریں چشمے پھوٹ نکلے۔ وہؐ انسانیت کے آسمان پر آفتابِ عالم تاب بن کر چمکا اور اسؐ کی روشنی میں قوموں اور امتوں کے بھٹکے ہوئے قافلے اپنی گم گشتہ منزلیں پانے کے قابل ہو گئے۔ تاریخ انسانی کے ایک انتہائی نازک مرحلہ پر وہؐ ابرِ بہار بن کر نمودار ہوا۔ بلندیوں اور پستیوں پر جھوم جھوم کر برسا اور انسانیت کے خزاں رسیدہ گلشن میں رنگِ بہار پیدا کر گیا۔

اس جہانِ کون و فساد میں جب اسؐ نے آنکھ کھولی تو چاروں طرف **ظہر الفساد فی البرو البحر** کا منظر بپا تھا۔ ہر شے اپنے مقام سے ہٹ چکی تھی۔ زندگی اصول و اقدار سے بیگانہ ہو چکی تھی اور انسان ہر ضابطۂ اخلاق سے باغی۔ قانون نام تھا قوت اور استبداد کے تقاضوں کا۔ اور ہر حکومت آئینہ دار تھی ظلم و جور اور بربریت کی۔ یہ تھا نقشہ عالمِ انسانیت کا جس میں انقلاب بپا کرنے کیلئے عرب کا یہ بظاہر ایک یتیم اور بے بس نوجوانؐ خدا کے پیامِ آخرین کا داعی اور علمبردار بن کر میدان میں نمودار ہوا۔ جب وہؐ غارِ حرا کے کنجِ تنہائی سے باہر نکلا تو ایک ایسا مکمل ترین ضابطہ حیات لے کر سامنے آیا جس کی مثال اس سے قبل کی انسانی تاریخ میں موجود نہ تھی اور بعد کی نسلوں کے لئے تو وہ قیامت تک حرف آخر قرار پا گیا۔

اس ضابطۂ حیات کا ایک ایک گوشہ ہر دور اور پورے عالمِ انسانیت کے مستقبل کے لئے ابدی سربلندیوں کا امین تھا۔ یہ زندگی کی وہ مستقل اقدار تھیں جن کے سہارے تند و تیز طوفانوں میں زندگی کے ارمان ساحلِ مراد تک پہنچ سکتے تھے۔ یہ سرچشمہ ء حیات تھا جس کی بدولت تہذیب و تمدن اور اخلاقیات کی وہ کشتِ نو کی بہار فضائے عالم میں لہلائی جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے نوعِ انسانی کی آنکھیں ترس گئی تھیں۔ ہاں' یہ ضابطۂ حیات اور یہ مستقل اقدار کسی ایک ملک' قوم یا دور کے لئے مخصوص نہیں تھیں۔ اس شجرِ طیب کی شاخیں حدود فراموش اور اس کے رگ و بار تاریخ کے ہر دور میں جنت در آغوش بننے کا سامان رکھتے تھے۔ مزید براں یہ دستورِ حیات کسی انسانی فکر و نظر کا شاہکار نہیں تھا بلکہ اس کا سرچشمہ وہ حقیقتِ کل تھی جہاں سے آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کو ضوفشانیاں نصیب ہوئیں۔

عظمتِ کردار کی جھلکیاں اس لازوال' بے مثال' جہانگیر اور عالم آرا دستورِ حیات کی منفعت سے

ذرا ہٹ کر اس ذاتِ رسالتمآبؐ کی عظمتِ کردار کی طرف آیئے جسے وحی کی ان جلوہ سامانیوں سے سرفراز کر کے نوعِ انسانی کی قیادتِ عظمیٰ کے لئے منتخب کیا گیا' تو ہر چشمِ بصیرت اس حسن انتخاب پر بے تاب ہو کر جھوم اٹھی۔ سرزمینِ عرب کے آتش فشاں ریگ زاروں سے ایک بے یارو مددگار بچہؐ یتیمی اور بے بسی کے عالم میں تاریخ کے عظیم ترین فریضہ ء حیات کی بجا آوری کے لئے اٹھتا ہے۔ اسؐ کی راہ کانٹوں سے بھرپور تھی۔ مشکلات و موانعات کے صبر آزما پہاڑ سامنے تھے۔ قدم قدم پر منافرت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ بغض و عناد کے زہریلے تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ غیظ و غضب کے طوفان اٹھ رہے تھے۔ کفر و طغیان کے خوفناک لشکروں سے مقابلہ تھا۔ اپنوں اور بیگانوں کا جوشِ انتقام بجلیاں گرا رہا تھا۔

لیکن ہوا کیا؟

کروڑ در کروڑ پھول نچھاور ہوں آمنہ کے اس یتیم لالؐ پر! زندگی کی ان کٹھن اور ہولناک راہوں پر وہؐ بے مثال عزم کے ساتھ مردانہ وار آگے بڑھا۔ کفار مکہ کے ترکشوں کے سارے تیر اسؐ کے عالم آرا عزائم اور ولولوں کو چھلنی کرنے کی حسرت میں ختم ہو گئے۔ "خداوندانِ طائف" نے اسےؐ لہولہان کرنے کے لئے سرزمینِ طائف کا آخری پتھر تک آزما ڈالا۔ اسےؐ قدم قدم پر بدر و حنین کے خوفناک محاربوں اور مقاتلوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ ابتلاء و آزمائش کی تُند و تیز آندھیاں اٹھیں۔ حوادث کے پے بہ پے اور غضب آلود طوفان حرکت میں آئے۔ مصائب و آلام کی تیرہ و تار گھٹائیں چھا گئیں۔ لیکن عرب کا یہ مہرؐ عالم تاب ہر گوشے میں اپنی رحمت بھری مسکراہٹیں پھیلاتا رہا۔ شمعِ رسالت کی ضوفشانیاں بلندیوں اور پستیوں کو برابر اپنی آغوشِ لطف و مرحمت میں لیتی چلی گئیں۔ نبوت کا چراغ نورافشاں رہا۔ پروانے جلتے رہے۔ جل جل کر اس کی جلوہ باریوں کی صداقت کی شہادت اور عطا فرمودہ منزل کا سراغ دیتے چلے گئے۔ کفار مکہ کی پھونکیں اسؐ چراغ کو بجھا نہ سکیں اور نورِ خدا' غیظ و غضب کی ان ناعاقبت اندیشیوں اور ناحقیقت شناسیوں پر برابر خندہ زن رہا۔ سرزمین عرب کا ذرہ ذرہ اسؐ کی جلوہ آرائیوں سے جگمگا اٹھا۔ مدائن کے قصرِ ابیض میں' انطاکیہ کے ایوانِ قیصری میں' مصر کے شاہی ایوانوں میں' قادسیہ اور یرموک کے میدانوں میں' بحرِ ظلمات کی طوفانی لہروں اور دجلہ و فرات کے کناروں پر ہر جگہ کروڑوں انسانوں نے اسؐ چراغ کی روشنی میں اپنی منزلِ مقصود تلاش کی۔ اور رشد و ہدایت کی نور بینری کا سلسلہ دراز بڑھتے بڑھتے گنگ و جمن کے ساحلوں اور اندلس کے مرغزاروں تک پہنچ گیا۔

عرب کے اس چاندؐ پر ہزاروں سلام جو ان طوفانوں میں' اپنوں اور بیگانوں' دوستوں اور دشمنوں سب کے لئے ابرِ رحمت اور صبحِ بہار کی ہزاروں بشارتیں لئے سوئے منزل جادہ پیما رہا۔ فتح مکہ کی نورانی صبح کو جب وہؐ فتح و نصرت کے پرچم اڑاتے مکہ میں داخل ہوا تو نعرۂ انتقام بلند کرنے کے بجائے اس پرچم کی

اڑانیں **لا تثریب علیکم الیوم** کا رحمت بھرا اعلان بن گئیں۔ اسؐ کے لطف و کرم کی بارشوں سے ہر تشنہ لب سیراب ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔ ہاں اسؐ نے ابوسفیان جیسے دشمنوں تک کو معاف کر دیا۔

تاریخ کی میزان پر ایک قدم اور آگے بڑھئے اور تاریخ میں اس کے مقاصدِ عالیہ کی رفعت' اسؐ کی سیرت طیبہ کی عظمت اور اسؐ کے درخشندہ کارناموں کی عالم آرائی کو نگاہوں کے سامنے لایئے۔ اسؐ کی کامرانیاں اور فتح مندیاں تاریخ انسانی کا بے مثال باب ہیں۔ سکندرِ اعظم اور جولیس سیزر جیسے فاتحینِ عالم اور کشور کشا اسؐ کے شاہکاروں کی گرد تک نہیں پہنچ سکتے۔ ان سپہ سالاروں کی کشور کشائیاں ان کی اپنی موت کے ساتھ ہی عظمتِ رفتہ کے کھنڈرات میں بدل گئیں لیکن عرب و عجم کا یہ سالار اعظمؐ چودہ صدیاں گذر جانے کے باوجود آج بھی اطراف و اکنافِ عالم کے کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔ اس کے حلقہ بگوشانِ عقیدت میں ایسے ایسے باجبروت شہنشاہ نظر آئیں گے جن کی جہانبانی کا سلسلہ سکندر اعظم سے کہیں بڑھ کر وسیع تھا۔ ایسے ایسے الوالعزم کمانڈر نظر آئیں گے جن کی شمشیر خاراشگاف جولیس سیزر سے کہیں بڑھ چڑھ کر شہنشاہان عالم کے درباروں میں زلزلے برپا کردیتی تھی۔

یہ اسؐ کی عظمت کا ایک معمولی سا نقش تھا کہ نجاشی والیٔ حبش' جیفر ملک عمان' اکیدر شاہ دومتہ الجندل نجد کے وحشیوں' تہامہ کے بدوؤں اور یمن کے مسکینوں کے شانہ بشانہ اس کی فرماں روائی کا اعتراف کر رہے تھے۔ عثمانؓ بن طلحہ' اور عبداللہؓ بن سلام بتدریج ابراہیمیت اور یہودیت کی مسند ہائے امامت و پیشوائیت کو چھوڑ کر اس سالارِ انقلاب کی قیادت پر ناز کر رہے تھے۔ عمروؓ بن عاص جو شاہِ حبش کے دربار میں کفارِ مکہ کا نمائندہ بن کر گیا تھا۔ شاہِ عمان کے دربار میں داعیٔ اسلام بن کر داخل ہوا۔ جنگِ احد کفارِ مکہ کا کمانڈر خالد بن ولیدؓ آخر ایک دن لات و عزیٰ کے بتوں کو توڑتا۔ اور شام و عراق اور روم میں اسلام کی عظمت کے جھنڈے گاڑتا دیکھا گیا۔ طائف کا سردار عبدیالیل جس کے اشارے پر حضور رسالتمآبؐ پتھروں سے لہولہان کئے گئے تھے آخر ایک دن اپنی پوری قوم کے ساتھ اسلام کے آستانہ عظمت پر سرِتسلیم خم کر رہا تھا۔ امیر حمزہؓ کا قاتل' وحشی' رسولِ خدا کے عفوِ عام سے فیضیاب ہو کر اسلام کی جنگیں لڑتا رہا اور آخر اس کا حربہ مسیلمہ کذاب کے جسم سے پار ہوا۔ کفار مکہ کا سردار جو احد کے میدان میں ان کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ فتح مکہ کی انوکھی صبح کو اسلام کی بارگاہِ عظیم میں سرتسلیم خم کر رہا تھا اور نجران کی حکومت اس کے سپرد کی جا رہی تھی۔

عالمگیر تصورِ قومیت کے داعیؐ کی فتح مندیوں اور فیض بخشیوں کا عظیم ترین شاہکار یہ تھا کہ اسؐ

نے خون، رنگ، نسل اور وطن کے تمام امتیازات ختم کر کے آئیڈیالوجی کے اشتراک پر انسانی ہیئت اجتماعیہ کا ایک نیا نقشہ قائم کیا۔ انسانی قومیت کی اس عالم آرا اور انوکھی تشکیل میں حبش کے بلالؓ اور روم کے صہیبؓ اس قائدؐ انسانیت کی اپنی ملت کے افراد قرار پا گئے اور گھر کے ابولہب اور ابوجہل (حقیقی چچا ہونے کے باوجود) "غیر قوم" کے افراد بن گئے۔ قومیت کی اس تشکیلِ نو کا نقشہ اس وقت پوری طرح نکھر کر دنیا کے سامنے آگیا، جب بدر کے میدان میں ابوبکرؓ ایک طرف شمشیر بکف کھڑے تھے اور ان کا بیٹا دوسری طرف۔ حضرت عمرؓ اس طرف تھے تو ان کے ماموں دوسری طرف۔ حضرت علیؓ ادھر تھے اور ان کے بھائی عقیل ادھر۔ حضرت حذیفہؓ ادھر تھے اور ان کے باپ عتبہ ادھر۔ خود کاروانِ انسانیت کا سالارؐ اعظم ایک طرف تھا اور اس کا حقیقی چچا عباس اور داماد ابوالعاص دوسری طرف۔ آسمان کی نگاہیں پہلی بار عصبیتِ جاہلہ کے رشتوں کو تلوار کی دھار سے کٹتے دیکھ رہی تھیں اور آئیڈیالوجی کے اشتراک پر ایک ایسی ملت ظہور میں آرہی تھی جس کا داماں گرد وطن سے پاک تھا۔ قبیلوں، ذاتوں اور نسلوں کے تعصبات سے پاک تھا۔ جس میں محمود و ایاز شانہ بشانہ حقیقی بھائیوں کی طرح ایک صف میں کھڑے تھے۔ جس میں نہ عربی کو عجمی پر کوئی فخر تھا، نہ عجمی کو عربی پر کوئی امتیاز۔ جمعیتِ آدم کا یہ انوکھا اور آسمانی تصور، نوعِ انسانی کے بھٹکے ہوئے قافلوں کو ببانگِ دہل بتا رہا تھا کہ انسانیت ایک مستقل اور ناقابل تقسیم وحدت ہے اور قبیلوں، ملکوں، خاندانوں، نسلوں کی بنا پر اس کے حصے بخرے نہیں کئے جا سکتے۔ اس عالمگیر انسانی نظام کو رنگ و خون کے امتیازات میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں نہ جغرافیائی تقسیم کی لکیریں کھینچی جا سکتی ہیں اور نہ مختلف اوطان کے نام پر کوئی دیواریں کھڑی کی جا سکتی ہیں۔ تاریخِ انسانی کا وہ کس قدر وجد آفریں منظر تھا جب حجتہ الوداع کی تقریب پر عرفات کے میدان میں قائدِؐ انسانیت کی زبان سے وحدت انسانیہ کے آخری منشور کا اعلان کیا جا رہا تھا اور دوسری طرف خالقِ کائنات کی بارگاہ سے وحیٔ خداوندی کا آخری پیغام نازل ہو رہا تھا کہ

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الا سلام دینا

نوع انسانی کے نام وحی کی یہ آخری آواز بتا رہی تھی کہ وحدتِ انسانیہ کا قیام منشائے دین کا اتمام ہے۔ یہ ہو گیا تو تکمیلِ دین کے مقصدِ عظیم کی بجا آوری بھی ہو گئی۔ نبوت کا یہی وہ شاہکار عظیم تھا جس کی تشکیل حضور رسالتمابؐ کے مقدس ہاتھوں اپنے حاصلِ کمال کو پہنچی اور تشکیلِ قومیت کے سلسلے میں فکرِ انسانی کے صدیوں کے ناکام تجربوں کے بعد علم و بصیرت کی بارگاہیں آج بجا طور پر اس حقیقت کا اعتراف کر رہی ہیں کہ قومیت کی حقیقی تشکیل آئیڈیالوجی اور صرف آئیڈیالوجی کے اشتراک پر ہونی چاہئے۔ رنگ، نسل اور وطن کی اساس پر اس کی تشکیل کے تمام تجربے ناکام (بلکہ ہلاکت آفریں) ثابت ہو چکے

ہیں ـــــ گذشتہ ہر دو عالمگیر جنگیں انہیں تجربات کے وحشت انگیز ثمرات کا نمونہ تھیں۔

انسانی ہیئتِ اجتماعیہ کا یہی وہ نقشہ تھا جو اس ذات اقدس و عظیمؐ کا بے مثال شاہکار قرار پاتا ہے۔ اسی اساس پر اولین اسلامی مملکت متشکل ہوئی اور اس مملکت کا مقدس بانیؐ جب اس جہانِ رنگ و بو سے رخصت ہو رہا تھا تو اس مملکت کا پرچم پورے عرب پر لہرا رہا تھا۔ اس کی کشور کشائیاں ایران و روما کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس عالم آرا مشن کی تکمیل کے لئے وہؐ اپنے جانشینوں پر تسخیرِ عالم کے دروازے کھول گیا اور ایک دن آیا جب اس مملکت کے پرچم دیوارِ چین سے لے کر اندلس کے ساحلوں تک لہرا رہے تھے۔

زندگی کی شاہراہ عظیم پر اس انسانِ کامل کے جگمگاتے نقوشِ رہگزر آج بھی پوری آب و تاب سے یہ شہادت دے رہے ہیں کہ دنیا کے آخری نبیؐ اور کاروان انسانیت کے آخری قائدؐ ہر شعبۂ حیات میں فقید المثال اور عظمت آفریں تھے۔ اسؐ کی سیرت طیبہ کا ایک ایک نقش بتائے گا کہ مقصدِ حیات کی شایان شان بجا آوری کے لئے نوعِ انسانی کو کس اسوۂ حسنہ کی ضرورت تھی اور حضورؐ نے اس ضرورت کو کس حسین انداز سے پورا کیا۔ دینِ خداوندی کی اشاعت و تبلیغ میں' ازواجِ مطہرات کے درمیان عائلی زندگی میں' جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں' منصبِ عدالت اور مقامِ نبوت کی ذمہ داریوں میں وہؐ نوعِ انسانی کی قیادت کا بے مثال نمونہ تھے۔ زندگی کے ہر میدان میں اسؐ کی قیادت بہترین نتائج اور ثمرات کی ضامن تھی وہؐ ایک بہترین شوہر' بہترین باپ' بہترین دوست' بہترین سرپرست' بہترین قائد' بہترین سپہ سالار' بہترین مدبر' سیاست مدن کا بہترین ماہر' اقتصادیات کا بہترین استاد' علم و حکمت کے اسرار و غوامض کا بہترین رازدان اور بالآخر خدا اور اس کے بندوں کے درمیان معرفتِ دین کا بہترین رشتہ گر ثابت ہوا اور تاریخ کے صفحات پر ایسے لازوال اور زندہ جاوید نقوش چھوڑ گیا جو انسانیت کے گم کردہ راہ قافلوں کے لئے رشد و ہدایت کے ضوفشاں مینار ہیں۔

اغیار کا خراجِ تحسین ایک قائدِ انسانیت کی عالم آرا عظمت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکے گا کہ اغیار کی بارگاہ سے چوٹی کے مشاہیر عالم اسؐ کے حضور خراجِ تحسین پیش کر رہے ہیں۔

خوشتر آں باید کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید باحدیث دیگراں

یورپ کا عظیم صاحبِ قلم کارلائل' جس کے زورِ قلم کے سامنے مغرب کے قلمکاروں کی گردنیں

خم ہیں' حضور رسالتمابؐ میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

عربوں کے لئے یہ انقلاب ایک نئی زندگی تھی جو انہیں تاریکی سے نور کی طرف لے آئی۔ عرب اس کے ذریعے پہلی بار زندہ ہوا۔ ایک ایسی قوم جو ابتدائے آفرینش سے گمنامی کے عالم میں ریوڑ چراتی پھرتی تھی' اس کی طرف ایک رسول آیا اور اپنے ساتھ وہ پیغام لایا جس پر وہ قوم ایمان لے آئی۔ وہ دیکھو! وہی گمنام چرواہے دنیا کی ممتاز ترین قوم بن گئے۔ وہ حقیر قوم ایک عظیم الشان ملت میں تبدیل ہو گئی۔ ایک صدی کے اندر اندر عرب ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف دہلی تک چھا گئے۔ اور اس کے بعد سینکڑوں برس سے وہ اسی شان و شوکت اور درخشندگی و تابندگی سے کرۂ ارض کے ایک عظیم حصہ پر مسلط ہیں۔ (یہ سب ایمان کی حرارت سے ہوا۔) ایمان بہت بڑی چیز ہے۔ ایمان ہی سے زندگی ملتی ہے۔ جونہی کسی قوم میں ایمان پیدا ہوا اس قوم کی تاریخ' اعمال میں نتائج اور روح میں بالیدگی پیدا کرنے والی بن گئی۔

وہ عرب _____ یہ محمدؐ _____ اور ایک سو سال کا عرصہ!

کیا یہ انقلاب ایسا نہیں جیسے ریت کے ایک گمنام سیاہ ٹیلے پر آسمان سے بجلی کی لہر آگرے اور وہ ریت کا تودہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک آتش گیر مادہ میں تبدیل ہو کر اس طرح بھک سے اڑ جائے کہ دہلی سے غرناطہ تک ساری فضا اس کی لپیٹ میں آجائے۔ نوعِ انسانی خشک دارو کی طرح ایک شرارہ کے انتظار میں تھی۔ وہ شرارہ اس بطلِ جلیل کی صورت میں آسمان سے آیا اور تمام نوعِ انسانی کو شعلہ صفت بنا گیا۔

THOMAS CARLYLE IN HEROES AND HERO –WORSHIP (Page - 66)

یہ کارلائل کی نذرِ عقیدت تھی۔ اب سرجارج برنارڈشا سامنے آتے ہیں۔ یورپ کا یہ عظیم' شہرہ آفاق اور خود پسند فلسفی' جو اپنے آپ سے بڑھ کر دنیا کے کسی بڑے سے بڑے انسان کو اہمیت نہیں دیتا' جب بارگاہِ رسالت مآبؐ کی عظمت کو نگاہوں کے سامنے لاتا ہے تو بیساختہ پکار اٹھتا ہے کہ

میں نے محمدؐ کے مذہب کو اس کی توانائی کی بنا پر ہمیشہ احترام کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ میرے نزدیک دنیا میں تنہا یہی مذہب ہے جس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے سکے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا پیغام ہر زمانے کے لوگوں کو اپیل کر سکتا ہے۔ میں نے اس حیرت انگیز شخصیت کا مطالعہ کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ مسیح" کا نقیض ہونے کی بجائے' بجا طور پر' نوعِ انسانی کا نجات دہندہ

کہلا سکتا ہے۔میرا یقین ہے کہ اگر آج اس جیسا کوئی انسان دنیا کی آمریت سنبھال لے تو وہ اس کے مسائل کا حل اس خوبی سے کر سکتا ہے کہ دنیا پھر سے اس امن و مسرت کی زندگی کو پا لے جس کی اسے آج اشد ضرورت ہے۔ میں نے یہ پیش گوئی کی ہے کہ جس طرح آج کا یورپ اس مذہب کو قبول کرنے پر آمادہ ہو رہا ہے اسی طرح کل کا یورپ اسے بھی قبول کر لے گا۔

آگے بڑھئے اور دیکھئے کہ تاریخِ مذہبیات کا مشہور عالم لیمرٹین اپنے خراج تحسین کا والہانہ اختتام کن الفاظ سے کرتا ہے۔۔۔۔۔۔۔

ان تمام معیاروں اور پیمانوں کو اپنے ساتھ لے آؤ جن سے انسانی عظمت و بلندی کو ماپا اور پرکھا جا سکتا ہے اور اس کے بعد ہمارے اس سوال کا جواب دو کہ کیا دنیا میں اس سے بڑا انسان بھی کوئی پیدا ہوا ہے؟

LAMARTINE-HISTOIRE DE IA TURQUIE VOL.II P.P. 276-207

لیمرٹین کے یہ الفاظ ایک چیلنج کا درجہ اختیار کر گئے ہیں اور قیامت تک یہ ممکن نہیں کہ اس چیلنج کا کوئی جواب دے سکے۔

یہ ہیں مشاہیرِ عالم کی تاریخی اور ناقابلِ انکار شہادتیں جو علم و تاریخ کی دنیا میں شہرۂ آفاق حیثیت رکھتی ہیں اور بیانگِ دہل اعلان کر رہی ہیں کہ نوعِ انسانی کی عالمگیر اور عالم آرا قیادت کا جو شرف حضور رسالت مآبؐ کو نصیب ہوا' تاریخ اس کی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کر سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبالؒ کے الفاظ میں

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است
رحمتہ" للعالمینی انتہا است

اطلاع عام

محکمہ ڈاک نے کوڈ نمبر کے بغیر پرچہ لینے سے انکار کر دیا ہے قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ فوری طور پر اپنے علاقہ کے کوڈ نمبر سے مطلع فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

... وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ ط ... (۵:۶۷)

فریضۂ رسالت

(بشیر احمد عابد- کویت)

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام ایک تبلیغی دین ہے- نبی اکرمؐ کو یہ دین اللہ تعالیٰ سے بذریعہ وحی عطا ہوا اور آپؐ نے اسے محفوظ و مکمل شکل میں امت کے حوالے کر دیا- حجتہ الوداع کے موقع پر مسلمانوں کے ایک کثیر اجتماع نے یک زبان اس کی شہادت دی کہ آپؐ نے فریضۂ رسالت نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا ہے- آپؐ کے بعد امتِ مسلمہ اس دین کی وارث ٹھہری' اور اسے حکم دیا گیا-

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا ص (3:103)

"تم سب کے سب' بلا استثناء' اجتماعی طور پر اس دین کے ساتھ محکم طور پر وابستہ ہو جاؤ اور آپس میں کسی قسم کا تفرقہ پیدا نہ کرنا"-

ولتکن منکم امتہ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ط (3:104)

"تمہارا فریضۂ زندگی یہ ہے کہ تم تمام نوع انسان کو قرآن کی طرف دعوت دو- اور ان امور کو عملاً نافذ کرو جنہیں قرآن صحیح تسلیم کرے اور جو اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہوں ان سے عملاً روکو !"__

کنتم خیر امت اخرجت للناس (3:109)

"یہ ہے وہ مقصد جس کے لیئے ہم نے' اے جماعت مومنین ! تمہیں اٹھا کر کھڑا کیا ہے- تم ایسا نظام قائم کرو جو عالمگیر انسانیت کے لئے نفع رساں ہو"-

وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ ط (22:78)

"اور تم اس نظام کے قیام و بقا کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہو- جیسا کہ جدوجہد کا حق ہے"-

ھو اجتبکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ط (22:78)

"اس نے تمہیں اس منصبِ جلیلہ کے لیئے منتخب کیا ہے- یہ نہ سمجھو کہ یہ کوئی بیگار ہے جو تم پہ ڈالی جا رہی ہے- (یہ خود تمہارے فائدہ کے لیئے ہے اور اس سے تمہیں اقوامِ عالم کی امامت حاصل ہو گی)"

ملته ابیکم ابرٰھیم ط ھو سمکم المسلمین من قبل و فی ھذا (22:78)
"یہ وہی نظام ہے جسے تمہارے مورثِ اعلیٰ ابراہیمؑ کے ہاتھوں قائم کیا گیا تھا اور اس نے تمہیں مسلم کا نام دیا ہے"۔

خدا نے ایسی جماعتوں کا نام پہلے بھی مسلم رکھا تھا اور اب اس قرآن میں بھی یہی نام تجویز کیا گیا ہے۔

لیکون الرسول شھیدا علیکم و تکونوا شھداء علی الناس ط (22:78)
اس نظام کے قیام کا عملی پروگرام یہ ہے کہ تمہارے اعمال کی نگرانی تمہارا رسول (اور اس کے بعد تمہارا مرکز ملت) کرے' اور تم تمام نوعِ انسان کے اعمال کی نگرانی کرو۔

فاقیمو الصلوٰۃ واتوالزکوٰۃ واعتصموا باللہ ط (22:78)
اس کے لیئے تم صلوٰۃ کا نظام قائم کرو۔ اور نوعِ انسان کی نشوونما کا سامان بہم پہنچاؤ۔ اور خدا کے نازل کردہ ضابطۂ قوانین (قرآن) کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔

ھو مولٰکم ج فنعم المولٰی ونعم النصیر ع (22:78)
یاد رکھو! خدا' اور صرف خدا ہی تمہارا کارساز و نگران و حاکم ہے۔ وہ بہت ہی اچھا کارساز اور بہت ہی اچھا مددگار ہے۔

اس دن سے ہر مسلمان تبلیغ دین کو اپنا بنیادی فریضہ سمجھتا ہے اور اسے بطریق احسن سرانجام دینے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ تبلیغ دین کا عملی مظاہرہ کئی شکلوں میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ علماء ہوں یا دانشور' اربابِ سیاست ہوں یا عام شہری' ہر ایک کا انداز جداگانہ ہے۔ لیکن اگر بغور جائزہ لیا جائے تو ان سب میں چند قدریں مشترک دکھائی دیں گی۔ پہلی بات یہ کہ ان میں سے کوئی بھی سنتِ رسول کے مطابق تبلیغِ دین کا فریضہ ادا نہیں کرتا۔ دین کے نام پر فساد انگیزی' قتل و غارت اور مخالفین پر کیچڑ اچھالنا حضورؐ کا شیوہ نہیں تھا۔ دوسری بات یہ کہ یہ سب کے سب واعظ ہیں! یہ جو کچھ کہتے ہیں اسے عملاً نافذ نہیں کروا سکتے۔ یہ اللہ کے نام پر صرف اپیل کر سکتے ہیں۔ دیدے بابا! اللہ تیرا بھلا کریگا! اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے۔ ان میں سے کسی کو نہ اختیار حاصل ہے اور نہ ہی کسی میں اتنی جرات اور ہمت ہے جو یہ کہہ سکے۔

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ (2:279)
(جو کچھ تم سے کہا گیا ہے) اگر تم نے اس کے مطابق عمل نہ کیا تو پھر کان کھول کر سن لو! یہی کام تم سے نظام خداوندی بزور شمشیر کروائے گا۔ سیاست دانوں اور ان مبلغینِ اسلام کے مابین قدر مشترک یہ ہے کہ ان کی زبان ان کے دل کی رفیق نہیں ہوتی۔

یقولون بافواھم ما لیس فی قلوبھم ۔ (3:166)
یہ حضرات جو کچھ زبان سے کہتے ہیں وہ دل میں نہیں ہوتا اور جو دل میں ہوتا ہے اسے زبان پہ نہیں لاتے۔ اپنے اس فعل کو، کوئی اگر سیاست دان ہے، تو ڈپلومیسی کہتا ہے اور اگر عالم یا دانشور ہے تو اسے مصلحت بینی سے تعبیر کرتا ہے۔
قرآنِ کریم کی نگاہ میں یہ فعل اگر بالارادہ ہو تو منافقت کہلاتا ہے۔ مسلمانوں کو اس قبیح فعل سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون ط (61:3)
قانون خداوندی کی رو سے یہ بات بڑی مذموم اور قابل گرفت ہے کہ ایسی باتیں کی جائیں جنہیں کر کے نہ دکھایا جائے۔
تبلیغ دین کی اس سٹریٹجی پر امت کی اکثریت عمل پیرا ہے۔ اور چونکہ یہ طریق نہ تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور نہ فرمان رسولؐ کے مطابق ہے لہٰذا اس ضمن میں جتنی بھی کوششیں، انفرادی یا اجتماعی، ہو رہی ہیں۔ وہ اپنے مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کر رہی ہیں۔ یہ ایک افسوسناک مگر مسلمہ حقیقت ہے ! اس کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس وقت تمام مسلمان من حیث القوم غریق لعنت خداوندی ہیں۔ سب پر ذلت و مسکنت کا عذاب مسلط ہے ! مراکش سے لیکر انڈونیشیا تک اور شمال سے لیکر جنوب تک جہاں جہاں اسلامی مملکتیں ہیں بظاہر سب کی سب حزب اللہ ہیں۔ (انہیں حزب اللہ ہونا بھی چاہئے)۔ ان کے متعلق قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ۔

فان حزب اللہ ھم الغٰلبون ط (5:56)
یقیناً حزب اللہ۔ (حالات خواہ کچھ شکل بھی اختیار کریں)۔ ہمیشہ غالب رہیں گے۔ قرآن کے دعاوی بڑے سچے ہوتے ہیں۔ اگر ان میں ذرہ بھر بھی حزب اللہ جیسی صفات ہوتیں تو کامیابی اور سرخروئی ان کے قدم چومتی ! امر واقعہ یہ ہے کہ اس وقت صفحہ ہستی پر ایک مملکت بھی ایسی نہیں جو اللہ و رسولؐ کی بتلائی ہوئی صراط مستقیم پر گامزن ہو۔ لہٰذا سب کی سب نعمائے خداوندی سے محروم ہیں اور ان کا شمار مغضوب علیہ اور ضالین اقوام میں ہوتا ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت کرتا چلوں کہ ہم جب بھی مسلم اقوام کی بات کرتے ہیں تو ذہن فوراً غیر مسلم اقوام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ صحیح راستے پر چل رہی ہوں۔ یہ انسان کی نفسیاتی کمزوری ہے کہ وہ ہر معاملے میں اضداد تلاش کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت کیا مسلم اور کیا غیر مسلم سبھی اقوام غضب خداوندی کا شکار ہیں۔ ہم، بہرحال مسلمان ہیں لہٰذا بات اسی تناظر میں کی جائیگی۔ بحیثیت مجموعی دیگر اقوام کی نسبت مسلمانوں کی حالت بدترین ہے۔ اگر اس کرۂ ارض کو جہنم قرار دیا جائے تو اس کی سب سے نچلی تہہ میں

مسلم اقوام پڑی ہیں۔

یہ خدا کا دوہرا عذاب ہے۔ یعنی ایک تو خود جہنم کا ایندھن بنی ہوئی ہیں اور اوپر سے جہنمی اقوام کا غلبہ اور تسلط بھی برداشت کر رہی ہیں۔

اس وضاحت کے بعد ہم دوبارہ اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ ہم ذکر کر رہے تھے کہ اس وقت امت جس عذاب میں مبتلا ہے وہ اس حقیقت کی واضح علامت ہے کہ امت راہ راست سے بھٹک چکی ہے۔ گو کہ امت کا ہر فرد دین حق کی پیروی کا دعویدار ہے اور تبلیغ دین کے سلسلے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کر رہا لیکن چونکہ کسی کا عمل بھی مطلوبہ نتیجہ پیدا نہیں کر رہا' لہٰذا اس کا یہ دعویٰ سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے اور فریبِ نفس کے سوا کچھ نہیں ! اس وقت امت کی اکثریت اس فریبِ نفس میں مبتلا ہے۔ بعض جہالت کی بنا پر اور بعض علیٰ وجہ البصیرت !

اولذکر طبقہ نے معاشرے میں جو کچھ دیکھا اور سنا اسے آنکھ کان بند کر کے قبول کر لیا' اور پھر صدقِ دل کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو گئے۔ انہیں اگر معلوم ہوا کہ تبلیغ دین صوم و صلوۃ کی طرف دعوت کا نام ہے تو بلا تامل اس مشن پر چل پڑے۔ اگر معلوم ہوا کہ یہ چیز صدقہ و خیرات سے ادا ہوتی ہے تو یہ کام شروع کر دیا۔ کوئی تعمیر مساجد مین مشغول ہو گیا اور کوئی ساقی جماخ بن گیا ! غرضیکہ جس کی سمجھ میں جو آیا' جیسے آیا اسی کو صدائے حق سمجھا اور سر تسلیم خم کر لیا۔ دنیائے سیاست کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ مملکتوں کو بے ایمان مگر عقل مند حکمران اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا کہ ایماندار مگر نادان حکمران پہنچاتے ہیں۔ دنیائے اسلام میں بھی اس قول کی صداقت کسی شرح کی محتاج نہیں۔ اس شہرۂ آفاق دین کے زوال کا بنیادی سبب امت کی سادہ لوحی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس قسم کی سادہ لوحی قطعی ناپسند ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

ان شر الدواب عنداللہ الصم البکم الذین لایعقلون ؁ (8:22)

قانونِ خداوندی کی رُو سے بدترین خلائق وہ لوگ ہیں جو بہرے اور گونگے بنے رہتے ہیں اور عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔

اس آیۂ کریمہ میں بہرے' گونگے کے الفاظ نے عقل کے صحیح استعمال کے طریقے کی بھی وضاحت کر دی ہے۔ یوں تو ہر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے' بقائمی ہوش و حواس کر رہا ہے۔ لیکن ایسا بزعمِ خویش سمجھ لینے سے انسان عقلمند نہیں بن جاتے۔ عقل کا بنیادی تقاضا ہے کہ انسان غور سے سنے اور جو کچھ سنے اسے خوب چھان پھٹک کر قبول کرے۔ یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ بات کون کہہ رہا ہے بلکہ جو کچھ کہا جا رہا ہو اس پر غور و فکر کرنا چاہئے۔ اگر وہ بات اللہ و رسولؐ کی سنت کے مطابق ہے' اگر اس سے انسانی صلاحیتیں دب کر نہیں رہ جاتیں بلکہ ان کی برومندی ہوتی ہے اور اگر نوع انسان کی

منفعت میں ہے تو اسے بلا تامل قبول کر لینا چاہئے۔ یہی وہ طریق ہے جو انسان کو شخصیات کی سحر انگیزی سے باہر نکال سکتا ہے اور اسے اسلاف کے من گھڑت اور بوسیدہ سیاروں سے نجات دلا سکتا ہے۔ اس سے انسان اپنے قول و فعل کی خود زندہ شہادت بن جائیں گے۔

انسان اگر عقلی طور پر خود نگر بن جائے تو پھر حقوق کی جنگ میں اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ تاریخ قرآنی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت صالحؑ نے تبلیغ دین کا کام شروع کیا تو لوگوں کی ایک اکثریت آپ کے پیچھے چل پڑی۔ مولویوں اور سرمایہ داروں کو خدشہ لاحق ہوا کہ شاید لوگ حضرت صالحؑ کی رسالت سے مرعوب ہو کر ان کے ساتھ ہو لیئے ہیں۔ پوچھا۔

اتعلمون ان صالحا مرسل من ربه ط (7:75)

"کیا تم واقعی یہ سمجھتے ہو کہ صالحؑ اپنے رب کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے"۔ حضرت صالحؑ کے ساتھیوں نے اس کا جواب دیا' اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایسا جواب ہے جو شخصیت پرستی کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ کہا' ہمیں اس تفتیش کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لیئے کہ۔

انا بما ارسل به مومنون ط (7:75)

"ہم اس کے پیغام پہ ایمان لائے ہیں"۔

ہم نے اس کی ذاتی حیثیت کو نہیں دیکھا بلکہ ہم نے اس کے پیغام کو سنا' اس پر غور و فکر کیا اور اس کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان لانے کا یہ انداز انتہائی پسندیدہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

والذین اذا ذکر وا بایت ربهم لم یخروا علیها صما و عمیانا"۔ (25:73)

مومنین کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ کوئی بات بھی اندھے' بہرے بن کر اختیار نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ جب ان کے سامنے قوانین خداوندی بھی پیش کیئے جائیں تو وہ ایسا نہیں کرتے کہ علم و بصیرت اور عقل و فکر کو بالائے طاق رکھ کر محض جذباتی طور پر ان پر گر پڑیں۔

انسان کی سادگی اور معصومیت اسے غلط نظریات کے تباہ کن نتائج سے کسی طرح بھی بچا نہیں سکتی۔ اس کا فقط ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں عقل کا صحیح استعمال کرے۔

امت کا دوسرا طبقہ **اولی الایدی ولا بصار** ہونے کے باوجود فریب نفس کا شکار ہے۔ قرآن کریم کی نگاہ میں یہ لوگ نفسیاتی مریض ہوتے ہیں۔ **فی قلوبهم مرض**۔ ان میں حکمران' سیاستدان' سرمایہ دار' مولوی' مفکر' دانش ور اور سب وہ لوگ شامل ہیں جنہیں دین کی اصلیت کا علم ہوتا ہے لیکن وہ دیدہ دانستہ اس سے انحراف برتتے ہیں۔ یہ لوگ طبعاً" عیش پسند اور آرام طلب ہوتے ہیں۔ انہیں

منفعت میں ہے تو اسے بلا تامل قبول کر لینا چاہئے۔ یہی وہ طریق ہے جو انسان کو شخصیات کی سحر انگیزی سے باہر نکال سکتا ہے اور اسے اسلاف کے من گھڑت اور بوسیدہ سیاروں سے نجات دلا سکتا ہے۔ اس سے انسان اپنے قول و فعل کی خود زندہ شہادت بن جائیں گے۔

انسان اگر عقلی طور پر خود نگر بن جائے تو پھر حقوق کی جنگ میں اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ تاریخ قرآنی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت صالحؑ نے تبلیغ دین کا کام شروع کیا تو لوگوں کی ایک اکثریت آپ کے پیچھے چل پڑی۔ مولویوں اور سرمایہ داروں کو خدشہ لاحق ہوا کہ شاید لوگ حضرت صالحؑ کی رسالت سے مرعوب ہو کر ان کے ساتھ ہو لیئے ہیں۔ پوچھا۔

اتعلمون ان صالحا مرسل من ربه ط (7:75)

"کیا تم واقعی یہ سمجھتے ہو کہ صالحؑ اپنے رب کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے"۔ حضرت صالحؑ کے ساتھیوں نے اس کا جواب دیا' اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایسا جواب ہے جو شخصیت پرستی کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ کہا' ہمیں اس تفتیش کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لیئے کہ۔

انا بما ارسل به مومنون ط (7:75)

"ہم اس کے پیغام پہ ایمان لائے ہیں"۔

ہم نے اس کی ذاتی حیثیت کو نہیں دیکھا بلکہ ہم نے اس کے پیغام کو سنا' اس پر غور و فکر کیا اور اس کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان لانے کا یہ انداز انتہائی پسندیدہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

والذین اذا ذکر وا بایت ربهم لم یخروا علیها صما و عمیانا"۔ (25:73)

مومنین کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ کوئی بات بھی اندھے' بہرے بن کر اختیار نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ جب ان کے سامنے قوانین خداوندی بھی پیش کیئے جائیں تو وہ ایسا نہیں کرتے کہ علم و بصیرت اور عقل و فکر کو بالائے طاق رکھ کر محض جذباتی طور پر ان پر گر پڑیں۔

انسان کی سادگی اور معصومیت اسے غلط نظریات کے تباہ کن نتائج سے کسی طرح بھی بچا نہیں سکتی۔ اس کا فقط ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں عقل کا صحیح استعمال کرے۔

امت کا دوسرا طبقہ **اولی الایدی ولا بصار** ہونے کے باوجود فریب نفس کا شکار ہے۔ قرآن کریم کی نگاہ میں یہ لوگ نفسیاتی مریض ہوتے ہیں۔ **فی قلوبهم مرض**۔ ان میں حکمران' سیاستدان' سرمایہ دار' مولوی' مفکر' دانش ور اور سب وہ لوگ شامل ہیں جنہیں دین کی اصلیت کا علم ہوتا ہے لیکن وہ دیدہ دانستہ اس سے انحراف برتتے ہیں۔ یہ لوگ طبعاً" عیش پسند اور آرام طلب ہوتے ہیں۔ انہیں

ہے کہ یہ مال یوں گیا! اس لیئے کہ اس کا اللہ و آخرت پر ایمان نہیں ہوتا' اور موت اس کے پیچھے سائے کی طرح لگی ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے مرنے کے ساتھ ہی یہ سب کچھ لٹ جائیگا۔ لیکن اس کے برعکس مسلمان بڑا مطمئن رہتا ہے۔ اس نے اپنا مال شریعت اسلامی کی رو سے جمع کیا ہوتا ہے اور یہ شریعت اسے دونوں جہانوں میں کامیابی کا تحفظ فراہم کرتی ہے۔

اگر آپ قرآن کے طالب علم ہیں تو اب یہ وجہ سمجھ آگئی ہو گی کہ لوگ شریعت اسلامی کے اس قدر گرویدہ کیوں ہیں؟

داستانِ حرم کی طرح مجوزہ فقہی شریعت اسلامی بھی انتہائی سادہ اور رنگین ہے! فرض کریں کسی کو ڈاکٹر بننا ہے۔ اس کے لیئے اسے ساڑھے تین سال کی عمر میں داخلہ لینا پڑیگا۔ اس کے بعد تقریباً بیس سال تک بحر علمی کی غواصی کرنی پڑیگی۔ اگر یہ سب مراحل کامیابی سے طے کر لیئے تو تب کہیں جا کر گوہر علمی جسے عرف عام میں ڈگری کہا جاتا ہے حاصل ہو گا۔ یہ سب مصائب جھیلنے کے باوجود جب وہ سوسائٹی میں قدم رکھتا ہے تو کوئی بھی اسے نہیں پہچان سکتا کہ وہ ایک شریف النفس ڈاکٹر اور صالح انسان ہے' تاوقتیکہ وہ خود ظاہر نہ کرے۔ اس کے برعکس آپ ایک بالشت داڑھی رکھ لیں' سر پر عمامہ باندھ لیں' ہاتھ میں تسبیح تھام لیں اور شلوار ٹخنوں سے اوپر کر لیں۔ آپ زہد و تقویٰ کے چلتے پھرتے پیکر نظر آئیں گے۔ لوگ آپ کو مولانا اور مفتی کے القاب سے یاد فرمائیں گے اور سب کی نگاہیں ادب و احترام سے جھک جائیں گی۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ عزت و شہرت حاصل کرنے کی اس سے زیادہ آسان شرع اور کیا ہو سکتی ہے۔ بالخصوص جبکہ آپ کی زندگی کا مطمع نظر ہی مفاد پرستی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مفاد پرست طبقہ اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے' ہر دم' ہر لحظہ شریعت اسلامی کا ورد کرتا رہتا ہے۔ جبکہ فی الحقیقت اسلام سے اسے کوئی مس نہیں ہوتا۔ یہ لوگ ہر کام اللہ و رسولؐ کے نام پہ کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ شراب' جوا' سٹہ' سود خوری' سلب و نہب' ظلم واستحصال' قتل و غارت سب کچھ فی سبیل اللہ اور علی الاعلان ہوتا ہے' اور ان کا ضمیر ذرّہ بھر ملامت نہیں کرتا۔ شریعت اسلامی نے ان کے ضمیر کی تربیت اس انداز سے کر دی ہوتی ہے کہ یہ تمام بدمستیاں اور بدکرداریاں انہیں عین مطابقِ اسلام لگتی ہیں۔ جس طرح ہندو گائے کا پیشاب پی کر کراہت محسوس نہیں کرتا اسی طرح مسلمان سود کو شیر مادر کی طرح ہڑپ کر جاتا ہے۔ ان کے نزدیک تبلیغِ دین سے مراد ان تعلیمات کا پرچار ہوتا ہے جو کسی طرح بھی ان کے مفادات پر اثر انداز نہ ہوں۔ بلکہ ان کے حصول کو زیادہ سہل اور محفوظ بنا دیں۔ مثلاً نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' صدقہ و خیرات وغیرہ وغیرہ۔ یہ لوگ دین کے ان کاموں میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ خوبصورت مساجد تعمیر کریں گے' خیراتی ادارے قائم کریں گے' بھوکوں کو کھانا کھلائیں گے' پیاسوں کے لئے سبیلیں لگائیں گے' صوم و صلوٰۃ کی شدت کے ساتھ پابندی کریں گے اور درود و سلام کی پررونق اور

معطر محفلیں سجائیں گے- بظاہر ان تمام کاموں سے محسوس ہوتا ہے کہ دین کی خوب خدمت ہو رہی ہے' لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہو رہا ہوتا- ان کاموں میں انہی کا اپنا فائدہ پوشیدہ ہوتا ہے- زندگی کے روز مرہ معمولات میں قدم قدم پر خیانت اور بددیانتی کرنے سے جو نفس مجروح ہوتا ہے تو یہ اعمال ان کے لیئے مرہم کا کام کرتے ہیں- اسے یہ روحانی تسکین کا نام دیتے ہیں جبکہ اصل میں یہ ان کی انا کی تسکین ہوتی ہے- قرآنِ کریم کی نگاہ میں اسی چیز کا نام فریبِ نفس ہے !

اب ہم ذرا پیچھے چلتے ہیں' جہاں سے یہ سلسلہ کلام شروع ہوا تھا- ہم نے یہ نقطہ اٹھایا تھا کہ اس وقت تبلیغ دین کے نام سے جو کچھ ہو رہا ہے- سب فریبِ نفس ہے- اس ضمن میں ہم نے امت کے عوام و خواص کا بالتفصیل جائزہ لیا- دونوں طبقے فہم دین کے مطابق جو کچھ کر رہے ہیں اس کا ذکر کیا اور اپنے اس مفروضے کے حق میں دلائل بہم پہنچائے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے- سب فریب نفس ہے- نہ تو یہ دین ہے اور نہ ہی تبلیغ دین ! یہ سب لہو و لعب ہے- کھیل تماشہ ہے ! دین ٹھوس اور محکم اصولوں کا نام ہے- ان کے نتائج واضح طور پر متعین ہوتے ہیں- ان اصولوں کے اگر مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوتے تو ایک لمحہ میں فیصلہ کر لیا جاتا ہے کہ یا تو اصول غلط ہے یا پھر اس پر صحیح طور سے عمل نہیں ہو سکا- مثلاً پانی کا 100 ڈگری سنٹی گریڈ پر ابلنا دین قیم ہے- ہمارا عام مشاہدہ ہے کہ اس درجہ حرارت پر پہنچ کر پانی بہرصورت ابلنا شروع کر دیتا ہے- اس حقیقت سے نہ تو اختلاف کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی انکار !
اس کے مقابلے میں اسلام کو لیجئے- یہ بھی دین قیم ہے- ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جس نے بھی اس کا دامن تھام لیا وہ یوں سمجھ لے جیسے کہ اس نے انتہائی مضبوط سہارے کو تھام لیا ہو' جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا-

فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا ط(2:256)

ہم دیکھ رہے ہیں کہ امت مسلمہ گزشتہ چودہ سو سال سے اس کے دامن کے ساتھ لپٹی ہوئی ہے لیکن کسی ایک خطہ کے مسلمان بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وہ اپنے پاؤں پیر کھڑے ہیں اور اپنے زورِ بازو کے بل جی رہے ہیں- یہ ایک ایک چیز کے لیئے غیروں کے محتاج ہیں- خوراک وادویات تک غیر مسلم اقوام سے درآمد کی جاتی ہیں- اکثریت قرضوں کے بوجھ تلے دبی ہے- اور علم و دانش کی کیفیت یہ ہے کہ ان سے وحشی اقوام کچھ زیادہ پیچھے نہیں ہیں- مراکش سے لیکر انڈونیشیا تک جدھر نگاہ دوڑایئے جہالت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آیگا-

سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب کچھ کیا ہے؟ کیا اسی چیز کا نام دین قیم ہے- ہم تو ایسا نہیں سمجھتے ! ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ نے جسے دین قیم قرار دیا تھا وہ قرآن کریم کی **دفتین** میں محفوظ ہے- رسول اللہؐ نے اسی دین کا اتباع کیا تھا اور امت کو بھی اسی کی اطاعت کرنے کی تاکید کی تھی-

هذا ذکر مَن معی وذکر مَن قبلی ط (21:24)

ی کا نام اطاعتِ خداوندی ہے اور اطاعتِ رسولؐ بھی اسی کو کہا جائیگا۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی مسلمان بھی اللہ اور رسولؐ کے مابین فرق روا نہیں رکھ سکتا۔ یہ کفار کی روش تھی اور ان کی دلی خواہش تھی کہ مسلمان بھی اسی روش کو اختیار کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہٖ و یریدون ان یفرقوابین اللہ و رسلہٖ و یقولون نومن ببعض و نکفر ببعض لا و یریدون ان یتخذوا بین ذٰلک سبیلا ○ اولٰئک ھم الکفرون حقا ج واعتدنا للکفرین عذابا مھینا۔ (4:150-151)

آج کے دور میں جس چیز کو سنت کہہ کر رسول اللہؐ سے منسوب کیا جاتا ہے وہ سراسر مولویوں کے سچ و جھوٹ پر مبنی قصے کہانیاں ہیں۔ عہدِ رسالتمابؐ میں کلام الٰہی اور قولِ رسولؐ میں کوئی فرق موجود نہیں تھا۔ مملکت کے نظم و نسق کے لیئے قانون سازی باہمی مشاورت سے کی جاتی تھی۔ رسول اللہ اور اصحابِ رسولؐ درپیش معاملات پر قرآنِ کریم کی روشنی میں غور و خوض فرماتے اور اتفاق رائے سے جو کچھ طے پاتا اس کی صدقِ دل سے پیروی کرتے۔ یہی طرزِ حکومت خلفاءِ راشدین نے بھی اختیار کیا۔ اللہ اور رسولؐ کے احکام میں تفریق کا تصور بہت بعد کی پیداوار ہے۔ خلافت راشدہ کے دورِ انحطاط کے دوران باطل قوتوں نے نہایت شدت کے ساتھ سر اٹھایا اور مملکت کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے جو ان کی سرکوبی کی جاتی۔ ان قوتوں نے دین کے دو ٹکڑے کر دیئے اور قوانین کو پبلک لاز اور پرسنل لاز میں تقسیم کر دیا۔ اولذکر کا انتظام و انصرام حکمرانوں نے سنبھال لیا اور آخر الذکر مولویوں کے سپرد کر دیئے گئے۔ حکمرانوں کو اپنے احکام منوانے کے لیئے زبردست قوتِ نافذہ دستیاب تھی۔ لہٰذا آج تک انہیں اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ وہ اپنے احکام اللہ و رسولؐ کے حوالے سے منوائیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ طبقہ نہ تو قرآن کا پابند ہے اور نہ ہی اسے احادیث کی ضرورت ہے۔ احادیث کی جتنی بھی متداول کتب ہیں ان سب میں امورِ مملکت سے متعلق احادیث نہ ہونے کے برابر ہیں۔ احادیث کی ضرورت مولویوں کو محسوس ہوئی۔ اس لئے کے ان کے پاس اپنے فیصلے منوانے کے لیئے دوسرا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ بجز اس کے کہ یہ انہیں رسولؐ اللہ کے فیصلے قرار دیکر منواتے۔ احادیث جمع کرنے کا کام رسول اللہؐ کی وفات کے تین سو سال بعد شروع کیا گیا اور محض یادداشت کی بنیاد پر عہدِ رسولؐ کی مکمل تاریخ مرتب کر ڈالی۔ اس تاریخ کی اسناد کی کیفیت یہ ہے کہ اگر اسے قرآن کریم کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو بقول مودودی صاحبؒ (خلافت اور ملوکیت۔ از مولانا مودودی صاحبؒ) اس تاریخ کا نوے فیصد حصہ دریا بُرد کرنے کے قابل ہے۔ لیکن اس کے تقدس کا یہ حال ہے کہ آج ساری امت انہی کے گرد جمع ہے۔ مولویوں نے احادیث کو اتنا مقدس بنا دیا ہے کہ کوئی مسلمان بھی ان سے اختلاف کی جرأت نہیں کر سکتا۔ عہدِ رسالتماب میں

امت کے سامنے صرف قرآنِ کریم تھا اور اسے پیش کرنے والا ایک امین اور صادق رسولؐ تھا۔ اس رسولؐ کی سنت یہ تھی کہ وہ ہر معاملے میں قرآن کریم کے اصولوں کو سامنے رکھتا اور انہیں عملی طور پر لاگو کرنے کے لیئے اپنے رفقاء سے مشورہ کرتا اور جب کوئی فیصلہ متفقہ طور پر طے پا جاتا تو پھر اسے پورے اعتماد اور ذمہ داری کے ساتھ نافذ کر دیتا۔ ان فیصلوں پر وقتاً فوقتاً نظرثانی کی جاتی اور اگر کسی ردّ و بدل یا ترمیم کی ضرورت محسوس ہوتی تو محولہ بالا اصولوں کی روشنی میں وہ کر دی جاتی۔ یہی طریق خلفائے راشدین نے اپنے دورِ حکومت میں اختیار کر رکھا تھا۔ آئین اور احادیث کی اصطلاح بعد کی ہے اور یہ قرآنِ کریم اور شرعِ محمدیؐ سے کھلا کھلا انحراف ہے۔ یہ دونوں اختراعات باطل قوتوں نے اپنے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیئے وضع کی تھیں۔ اسمبلیاں ہوں یا مساجد، یہ وہ کمیں گاہیں ہیں جہاں بیٹھ کر سادہ لوح عوام کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ حکمران ان کے لئے قوانین کی بیڑیاں اور سلاسل تیار کرتے ہیں اور مولوی نفرتوں اور توہم پرستیوں کے جال بنتے ہیں۔ اس ساری کدو کاوش کا مقصود عوام کے خون پسینے کی کمائی کو لوٹنا ہوتا ہے۔

مفاد پرست طبقہ اپنی اس سٹریٹجی میں خوب کامیاب چلا آرہا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام کی اکثریت جہالت میں غرق ہے۔ مزید برآں، انہوں نے نظامِ تعلیم ایسا وضع کر رکھا ہے کہ جس میں ذہن کی مناسب نشوونما اور صحیح تربیت نہیں ہو پاتی۔ لہٰذا پڑھی لکھی عوام بھی اس طبقے کے سامنے بے بس ہوتی ہے۔ یہ نظام صدیوں سے یونہی چلا آرہا ہے۔ عوام اس کی اس حد تک خوگر ہو چکی ہے کہ ان کے نزدیک صحیح اسلامی نظام یہی ہے۔ وہ اس کی حفاظت اور بقا کو اپنے ایمان کا جزو سمجھتے ہیں۔ اس کے خلاف جو بھی آواز اٹھاتا ہے، عوام اس کا ساتھ نہیں دیتے۔ اور یہ امت مسلمہ کی سب سے عظیم حرماں نصیبی ہے۔ ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اس وقت کسی بھی انقلابی جماعت کے لیئے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ امت کو کھینچ کر سنتِ رسولؐ کے اصلی مأخذ قرآنِ کریم تک لے آئے۔ قرآنِ کریم اگرچہ امت کے ایک ایک فرد نے اپنی بغل میں داب رکھا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس سے کوسوں دور ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو قرآن کریم کا فہم رکھتے ہیں۔ اس جہالت اور بے علمی کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اس امت پر ہر طرح کی استحصالی قوتیں مسلط ہیں۔ ورنہ حاملِ قرآن امت پر خدائے لم یزل کے سوا کوئی دوسرا فرد حکمرانی نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی دوسری قوم اسے استحصال اور استبداد کا نشانہ بنا سکتی ہے۔

ولن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا ط (4:141)

(یہ کبھی نہیں ہو گا کہ خدا' کفار کو مومنین پر غالب آجانے دے۔) اس امت کا وجود خود اس بات کی ضمانت ہوتا ہے کہ کوئی انسان دوسرے انسان کو غلام نہیں بنا سکتا اور نہ ہی کوئی کسی کو اپنی ہوائے نفس کا نشانہ بنا سکتا ہے۔ چہ جائیکہ یہ امت خود دوسروں کی غلام اور ہوائے نفس کا نشانہ بنی بیٹھی ہو!

مسلم اقوام جس سیاسی خلفشار اور معاشی بدحالی کا شکار ہیں وہ اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ یہ جادۂ قرآنی سے ہٹ گئی ہیں۔ سرمایہ دار اور مولوی جو خدا کی ربوبیت عالمی کی راہ میں رکاوٹ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں انہیں پورا پورا آئینی اور شرعی تحفظ حاصل ہے۔ ان کو جڑ سے اکھیڑنے کے لئے ایک مضبوط جماعت چاہئے۔ اس وقت کوئی بھی ان کے خلاف آواز نہیں اٹھاتا اور کوئی جماعت ایسی نہیں جس نے ان کے خلاف اللہ و رسولؐ کے نام پر اعلانِ جہاد کر رکھا ہو۔ آج مسلمان انہی حالات میں گھرا ہوا ہے جو مشرکین اور کفار کو دورِ رسالت میں درپیش تھے۔ حضورؐ نے بڑی خوبصورتی سے اس قوم کو معاشرتی و معاشی دلدل سے نکالا تھا۔ آج بھی آپؐ کے نقش قدم پر چل کر کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ آپؐ ہر قدم قرآن کریم کی روشنی میں اٹھاتے تھے۔

انما انا اتبع ما یو حیٰ الی (7:203)

یہ قندیلِ نورانی اپنی محفوظ اور مکمل شکل میں موجود ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اسی کی روشنی میں سفر کیا جائے۔ اس وقت مسلمان اور قرآن کے درمیان سب سے بڑی رکاوٹ مولوی کی خود ساختہ شریعت ہے۔ اگر کوئی اس شریعت کی تمام کتابیں ٹھپ کر بالائے طاق رکھ دے تو قرآن کی رہنمائی ابھر کر اور نکھر کر مسلمان کی نگاہوں میں سما جائیگی۔ ہر مسلمان قرآن کریم کا صحیح صحیح فہم و ادراک حاصل کریگا اور اس پر عمل پیرا ہونے میں ذرہ بھر دشواری محسوس نہیں ہو گی۔

جب نبیٔ اکرمؐ قرآنِ کریم پیش کرتے تھے تو اس دوران تورات و انجیل اتنی شدید سدِ راہ ثابت نہیں ہوئی تھیں جتنی کہ آج قرآن کی راہ میں مولوی کی خود ساختہ شریعت حائل ہے۔ آج فریضۂ رسالت یہ ہے کہ اس شریعت کو مسلمان کے راستے سے ہٹا دیا جائے۔ یہ ملاّ اور سرمایہ دار کی شریعت ہے۔ اس سے عام مسلمان کو تنکا بھر فائدہ نہیں پہنچا اور نہ پہنچ سکتا ہے! اس شریعت نے اس کی دنیا تو تباہ کر ہی رکھی ہے' آخرت میں بھی اس کی نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس شریعت سے مذہبی پیشوائیت کو شاندار مساجد مل گئیں اور سرمایہ دار کو سلطنت اور جلوت! لیکن ایک عام مسلمان کو کیا ملا؟ بھوک' افلاس' جہالت اور عمر بھر کی ذلت و خواری! کیا اسی کا نام شرعِ محمدیؐ ہے؟۔

لعنت اللہ علی الکٰذبین محمدؐ نے جو شرع دی تھی اس پر چل کر مسلمان غربت و جہالت کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر امن و سلامتی اور خوشحالی کی دنیا میں پہنچ گیا تھا۔ وہ افقِ انسانیت پر روشن ستارہ بن کر چمکا اور دنیائے انسانیت اس سے روشنی کی مستعیر تھی۔ وہ ذلت و خواری کی پستیوں سے نکل کر

شرف و امتیاز کی بلندیوں پر فائز ہو گیا۔ وہ رفعتوں اور عظمتوں سے ہمکنار ہوا۔ وہ وقت کی عظیم طاقت بن گیا!

اگر ہم یہی کامیابیاں و کامرانیاں اور آسودگیاں دوبارہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اصل شرعِ محمدیؐ کو اختیار کرنا پڑیگا۔ ملّا کی اس خود ساختہ شریعت کا دامن چھوڑنا پڑیگا جو سرمایہ داری اور ملائیت کے فروغ اور تقویت کا موجب ہے۔ لیکن ٹھہریئے! اسے اتنی آسانی سے نہیں چھوڑا جا سکتا!

یہ ایک مکمل نظام ہے۔ اور اسے بے حد و حساب مادی وسائل اور افرادی قوت دستیاب ہے۔ اس کا مقابلہ صرف ایک اولعزم جماعت کر سکتی ہے۔ اس جماعت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ جان و مال کی پرواہ کیئے بغیر اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دے۔ اور اس جنگ کو کامیاب بنانے کے لیئے جملہ وسائل بروئے کار لائے جائیں۔ سرمایہ دار سے اس کا کارندہ اور مولوی سے اس کا مقتدی چھین لیا جائے۔ اپنا جتھہ مضبوط بنایا جائے۔ اور پھر بھرپور وار کر کے اسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ اگر ہم اپنی اولاد کو محفوظ اور خوشحال مستقبل دینے کے خواہاں ہیں تو آج یہ قربانی دینی پڑیگی۔

ورنہ جیسے ہماری صلاحیتیں زنگ آلود ہو رہی ہیں اور اعمال ضائع جا رہے ہیں۔ مصائب و مشکلات کی یہ کیفیت کہ اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کے لیئے بھی ہڈیاں چٹخ جاتی ہیں۔ ہماری اولاد کو ان سے بھی کہیں زیادہ سنگین حالت کا سامنا کرنا پڑیگا۔

ہمیں موجودہ نظام کے خلاف پوری جرأت اور ہمت کے ساتھ آواز اٹھانی چاہیئے۔ قرآن کے علمبرداروں کا موجودہ طریقہ کار انتہائی ناقص اور بزدلی پر مبنی ہے۔ یہ اس نظام کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ کرتے یہ ہیں کہ جب موقع و محل موزوں پایا' قرآن کی بات کر دی۔ ورنہ خاموش رہے۔ ہمیشہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ میں قرآن کا طالب علم ہوں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا انہوں نے خدا سے یہ عہد کر رکھا ہے کہ ہمیں جب کبھی بھی کوئی مناسب موقع ملا۔ تمہارے نظام کی بات بھی کر دیا کریں گے؟ کیا یہی اسوۂ رسولؐ ہے؟ یوں تو اس مدح سرائی میں ہماری زبان نہیں تھکتی کہ **محمدٌ الرسول اللّٰہ والذین معہٗ** ایسے لوگ تھے جنہوں نے مجبور و مقہور عوام کو عیار و مکار حکمرانوں اور ملاؤں کے چنگل سے آزاد کرانے کے لیئے اور اس کے بالمقابل دینِ خداوندی کے قیام کے لیئے اپنے ماں باپ' آل اولاد' بہن بھائی' گھربار اور کاروبار سب کچھ نثار کر دیئے تھے۔

جنگِ بدر میں باپ بیٹے کے خلاف اور بھائی بھائی کے خلاف صف آراء تھا۔ لیکن آج جب اپنی بات ہوتی ہے تو اکثر یہ جواب سننے میں آتا ہے۔ انشاء اللہ ہم بھی سب کچھ نثار کریں گے لیکن جب یہ نظام قائم ہو جائیگا۔ وہی تاریخی جواب جو حضرت موسیٰؑ کو اپنی قوم سے ملا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے قوم سے کہا تھا کہ ارضِ فلسطین تمہارے نام لکھ دی گئی ہے' آگے بڑھو اور اس ملک پر قابض ہو جاؤ۔ انہوں

نے کہا ایسا کام ہم سے نہیں ہوتا۔ **فاذھب انت و ربک فقاتلا انا ھٰھنا قٰعدون۔** (5:24) تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور ان سے جنگ کرو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ جب فتح ہو جائے تو ہمیں آواز دینا ہم فوراً پہنچ جائیں گے۔

نہیں جناب والا ! یہ نظام یوں قائم نہیں ہو سکے گا۔ اس کے خلاف بھرپور آواز اٹھانی پڑیگی۔ نڈر بن کر پوری بے باکی کے ساتھ نعرہ بلند کرنا پڑیگا۔ اس کے خلاف ہر پتھر الٹ دینا ہو گا' اور مستبد نظاموں کو الٹنے کے لئے حرب و ضرب کے جتنے طور طریقے ہوتے ہیں وہ سب استعمال میں لانے پڑیں گے۔ محض درس و تدریس سے تبلیغ کا کام نہیں چلے گا۔ یہ تو وہی ملاؤں کی روش ٹھہری جو انہوں نے چودہ سو سال سے اختیار کر رکھی ہے۔ مانا کہ حضورؐ اور آپ کی جماعت بھی درس و تدریس کرتی تھی لیکن یہ کام وہ راتوں کو کرتے تھے' جب دن بھر کی بھاگ دوڑ سے فارغ ہو جاتے ! اگر آپؐ بھی وعظ و نصیحت پر اکتفا کر لیتے تو ایک عظیم مملکت کبھی وجود میں نہ آسکتی تھی۔ اگر ہم سنت اللہ اور سنت رسولؐ کی پیروی کے دعویدار ہیں تو پھر ہمیں بھی یہ نظام قائم کر کے دکھانا پڑیگا۔ اور یہی تبلیغ دین کا صحیح طریق ہے۔ **فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔** (5:67) اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو سمجھ لیں کہ پھر فریضۂ رسالت کا حق ادا نہیں ہوا۔ حضورؐ نے یہی طریق کار اختیار کیا تھا۔ آپؐ نے جب اس حقیقت کبریٰ کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا تھا تو پھر اسے زندگی کی ہر متاع سے عزیز جانا تھا۔ اس کے اعلان کے بعد آپؐ نے نہ مال و دولت کی' نہ عزت و احترام کی' نہ معاشرتی روابط کی اور نہ آرام و سکوں کی پرواہ کی تھی۔ آپؐ اپنے مشن کو لیکر دیوانہ وار بڑھتے چلے گئے اور اپنے ساتھیوں کو بھی یہی تلقین کی۔ آج' قرآن کریم کے یہ الفاظ ہم سب کے لیئے مشعل راہ ہیں۔

قل ان کان اباؤکم و ابناؤ کم واخوانکم وازوا جکم و عشیر تکم واموال ن اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا و مسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھا د فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ ط واللہ لا یھدی القوم الفٰسقین۔

(9:24)

اے خدا ! ہمیں فاسق ہونے سے بچا لے اور اپنی ہدایت سے محروم نہ رکھ ! ہمارا ایمان ہے کہ ہمیں تیرے ہی دامن میں پناہ مل سکتی ہے اور تیرے ہی دین کے قلب میں رہ کر ہماری صلاحیتیں برومند ہو سکتی ہیں' اور ہم تیری ہی رہنمائی میں اپنی منزل مقصود کو پا سکتے ہیں۔ ہم تیرے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ ہمیں تیرے دین کے سوا کچھ عزیز نہیں !

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟"

(محمد سلیم قمر)

عنوانِ پیش نظر پر تفصیل سے روشنی ڈالنے سے پہلے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے۔ کہ مذکورہ بالا عنوان میں لفظ اسلام سے مراد کیا ہے؟ آیا یہاں لفظ اسلام مذہب کے طور پر استعمال ہوا ہے یا الدین کے طور پر؟

آیئے سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ اسلام کسے کہتے ہیں؟

کائنات ۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ غیر متبدل محکم اصول (قوانین) کارفرما ہیں۔ جن کے مطابق یہ کارگہِ عظیم و عجیب اس حسن و خوبی سے چل رہی ہے۔ کہ کائنات کی ہر شے ان قوانین کے سامنے سرِتسلیم خم کیئے ہوئے ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وله اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعا" و کرها" (3/83)

کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے۔ سب اس کے قوانین کے سامنے جھکے ہوئے ہیں طوعاً یا کرہاً۔

وهم لا یستکبرون (16/49)

یہ کبھی ان قوانین سے سرکشی نہیں برتتے۔

اس کے قوانین نہ آج تک ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ اور نہ تھک کر کسی مقام پر رک گئے ہیں۔ یہ برابر آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اور ان میں تم کوئی جھول نہیں پاؤ گے۔

ماتریٰ فی خلق الرحمان من تفاوت (67/3)

ان کو قوانین فطرت یا کائناتی دین یا اسے اسلام کہہ لیجئے۔

انسان ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ کائنات کے لیے غیر متبدل اٹل قوانین متعین کیے ہیں۔ اسی طرح اس نے انسانی دنیا کے لیے بھی ایسے محکم اصول اور مستقل اقدار بذریعہ وحی عطا کیئے ہیں۔ جس

کے مطابق زندگی بسر کرنے سے افراد زندگی کی ارتقائی منازل طے کرتے آگے بڑھتے اور بلند ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یعنی انہیں اس دنیا کی زندگی میں بھی ہر قسم کی شادابیاں اور سرفرازیاں حاصل ہوتی ہیں اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی کامیابیاں اور کامرانیاں نصیب ہوتی ہیں۔

فرق۔ اشیائے کائنات اور انسانی دنیا میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اشیائے کائنات کو ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے مجبور پیدا کیا گیا ہے انہیں ان کی خلاف ورزی کا اختیار نہیں۔ لیکن انسان کو صاحب اختیار و ارادہ پیدا کیا گیا ہے۔ لہٰذا اسے اس کا اختیار ہے۔ کہ جی چاہے تو ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرلے اور جی چاہے ان سے سرکشی اختیار کر لے۔ جب کوئی قوم ان کے مطابق زندگی بسر کرے گی تو وہ زندگی کی خوشگواریوں سے بہرہ یاب ہو گی۔ اور جب انہیں چھوڑ دے گی تو ذلتیں، رسوائیاں اور اندھیرے ان کے گرد چھائیں گے۔

لہٰذا وہ غیر متبدل اور اٹل قوانین جو اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر شے میں ودیعت کر دیئے ہیں یا انسانوں کو بذریعہ وحی عطا کر دیئے ہیں تاکہ ان کے مطابق زندگی بسر کریں۔ ان قوانین کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔ جو قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے۔

اب سوال کے دوسرے حصے کی طرف آیئے کہ اسلام مذہب ہے یا دین۔

مذہب اور دین میں فرق۔ اسلام، مذہب (Religion) نہیں بلکہ الدین ہے۔ قرآن کریم کے اندر اسلام بطور مذہب نہیں آیا قرآن کریم نے اسلام کو دین یعنی نظامِ زندگی کہہ کر پکارا ہے۔ جب کوئی فرد تنہا زندگی بسر کرے تو اسے کسی قاعدے اور قانون کی پابندی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قانون کی پابندی کی ضرورت تو اس وقت پڑتی ہے۔ جب انسان مل جل کر رہیں۔ جنگل میں کوئی دائیں طرف چلے یا بائیں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ لیکن شہر کی سڑکوں پر آکر قاعدے اور قانون کے خلاف چلا جائے تو نتیجہ حادثہ کی صورت میں فوراً سامنے آجاتا ہے۔ اللہ نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے قوانین دیئے ہی اس لیے ہیں کیونکہ انسانوں نے مل جل کر رہنا ہے۔ جب بہت سے انسان کسی قاعدے اور قانون کے مطابق مل جل کر رہیں تو اسے نظام یا سسٹم کہتے ہیں۔ اسی نظام یا سسٹم کو قرآن کریم نے الدین سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی وہ نظام جن میں انسان اجتماعی طور پر اللہ کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں۔ ذیل میں مذہب اور دین کے تقابلی جائزہ سے مزید بات نکھر آئے گی۔

1- مذہب خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق کا نام ہے۔ جسے اجتماعی زندگی سے کوئی واسطہ

نہیں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس الدین اس نظامِ خداوندی کا نام ہے جس کے مطابق اجتماعی زندگی بسر کی جائے اسی کو اسلامی نظام یا دین کہتے ہیں۔

2- مذہب علم کا دشمن اور عقل کا حریف ہے۔ جبکہ
الدین انسان کی علمی اور عقلی صلاحیتوں کو جِلا دینے کا موجب ہے۔

3- مذہب عقل کے دیئے گل کرتا ہے تاکہ اس کا چراغ جلے۔ جبکہ
الدین عقل کے دیئے میں روغن ڈالتا ہے کہ زندگی کے راستے جگمگائیں۔

4- مذہب میں ہر فرد کا منتہیٰ اپنی اپنی نجات ہوتا ہے۔
الدین کا مقصود عالمگیر انسانیت کی فلاح بہبود ہوتا ہے۔

5- مذہب اپنے آپ کو اندھی عقیدت کی بنا پر منواتا ہے۔ جبکہ
الدین اپنے ہر دعویٰ کو دلیل و برہان کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

6- مذہب کشمکشِ حیات سے فرار سکھاتا ہے۔ جبکہ
الدین زندگی کے حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔

7- مذہب تقدیر کے بہانے انسان کو یکسر بے عمل بنا دیتا ہے۔ جبکہ
الدین اسے تقدیر شکن قوت عطا کر کے حرکت و عمل کا شعلۂ جوّالہ بنا دیتا ہے۔

8- مذہب خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات کا نام عبادت رکھ کر انسان کو خود فریبی میں مبتلا رکھتا ہے۔
جبکہ الدین اسے وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل کا پیغام دیتا ہے۔ اور نظام خداوندی کو دنیا کے ہر نظامِ باطل پر غالب کرنے کو عبادت کی غایت بناتا ہے۔

9- مذہب میں کوئی خارجی معیار ایسا نہیں ہوتا جس سے پرکھا جا سکے کہ انسان کے عمل صحیح نتائج پیدا کر رہے ہیں یا نہیں۔
جبکہ الدین میں اجتماعی زندگی کے نتائج ساتھ ساتھ بتاتے چلے جاتے ہیں کہ ملت صحیح راستے پر چل رہی ہے یا نہیں۔

10- مذہب مادی کائنات کو قابلِ نفرت قرار دے کر اسے تیاگ دینے کی تلقین کرتا ہے۔
جبکہ الدین مادہ کی تسخیر سے انسان کو حدود فراموش بلندیوں تک لے جاتا ہے۔ ایسی بلندیوں تک کہ

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں

مذہب اور دین کا تقابلی جائزہ لینے کے بعد اک بار پھر اصل موضوع کی طرف آیئے۔

صدر اول کا انسان تنہا عقل کی رو سے زندگی کے طول طویل راستوں پر گامزن چلا آرہا تھا۔ مذہب گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتا ہوا' ٹھوکریں کھاتا ہڈیاں تڑواتا' تجربات کی بھٹیوں میں پگھلتا آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے قندیل وحی نے ان راستوں کو یک دم روشن کر دیا بقول حالی ۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

عرب نے اس آواز پر لبیک کہا اور یہ صدا صدیوں کا سفر مہینوں اور سالوں میں طے کر گئی۔ اس دور میں جب اس قوم نے اسلام کو بطور دین اپنایا اور جو نتائج مرتب ہوئے ان کی درخشندگی اور تابندگی سے آج بھی تاریخ کے اوراق جگمگا رہے ہیں اور ان نتائج کو دیکھ کر اپنے اور غیر سب ہی اعتراف کرتے ہیں۔ کیونکہ دین کا نظام انسانی زندگی کی برومندی کا ضامن اور اس کی نشوونما کا کفیل تھا۔ تو پھر ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے۔ کہ ایسا نظام آگے کیوں نہ چلا؟ کیا اس قوم نے اسلام کی پیروی چھوڑ دی تھی؟

دین کی پیروی چھوڑ دی گئی! ہاں اس قوم نے دین کی پیروی چھوڑ دی تھی اور اپنے ہاں مذہب کو رائج کر لیا اور مذہب کی رو سے ملوکیت مسلط کر لی۔

ملوکیت ۔ اسلام نے اصول یہ دیا تھا کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ دوسرے انسانوں سے اپنے احکام کی اطاعت کرائے۔ حکومت کا فریضہ' قوانین خداوندی کا نافذ کرنا ہے۔ جن کا اطلاق مملکت کے تمام افراد پر یکساں ہو۔ حتیٰ کہ سربراہِ مملکت بھی مستثنیٰ نہ ہو۔امت کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوں۔ اور معاشرہ میں عزت و تکریم کا معیار' سیرت و کردار کی بلندی ہو نہ کہ موروثی اور خاندانی وجاہت و ثروت۔

اس اصول نے ملوکیت کی جڑ کاٹ کر رکھ دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ افراد کو وہ حقیقی آزادی حاصل ہو گئی جس سے ان کی مضمر صلاحیتیں دنوں میں سرسبز شاداب ہو کر نکھر آئیں۔ اس قوم نے اپنی ہم عصر اقوام میں جو اس قدر بلند امتیازی مقام حاصل کر لیا تھا۔ اس کا بنیادی سبب دین اسلام پر عمل کرنا ہی تھا۔

کچھ عرصہ بعد انہوں نے اسلام کے اس بنیادی اصول سے انحراف برت کر اپنے ہاں ملوکیت کا نظام قائم کر لیا اور اس کا نتیجہ وہی ہوا جو استبدادِ ملوکیت کے تحت ہوا کرتا ہے۔ یعنی شرفِ انسانیت کی

مذہبی پیشوائیت ۔ اسلام نے یہ اصول دیا کہ خدا اور بندے کے درمیان کوئی حاجب و دربان نہیں۔ ہر شخص بلا کسی درمیانی واسطہ کے براہِ راست قوانین خداوندی کی اطاعت کر سکتا ہے۔ اس سے مذہبی پیشوائیت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور یوں اس استبداد کی زنجیر کٹ گئی۔ جس نے انسانیت کے قلب اور دماغ کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا اس آزادی سے انسانوں کو حریتِ فکر و نظر نصیب ہوئی اور وہ تمام رکاوٹیں دور ہو گئیں جو علمی تحقیق اور فکری کاوش کے راستے میں بری طرح حائل تھیں۔ نتیجہ یہ کہ وہ قوم چند دنوں میں علم و بصیرت کی فضائے بسیط میں بے محابا پرواز کے قابل ہو گئی۔ اس کے بعد اس قوم نے اس اصول سے سرکشی برتی اور اپنے ہاں پھر سے جعلی مذہبی پیشوائیت کو رائج کر لیا یہ وہ عذاب ہے جس میں یہ قوم اب تک ماخوذ چلی آرہی ہے اسی جانکاہ کرب کا اظہار اقبال نے اس طرح کیا ؎

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و مُلّائی و پیری

سرمایہ داری۔ اسلام نے یہ اصول دیا کہ نظامِ مملکت کا فریضہ ہے کہ وہ تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری لے۔اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہو گا کہ ذرائع پیداوار افراد کی ملکیت کی بجائے مملکت کی تحویل میں رہیں اور فاضلہ دولت کسی شخص کے پاس نہ رہے۔اس سے جہاں تمام افرادِ قوم رزق کی پریشانیوں سے محفوظ ہو گئے وہاں معاشرہ سرمایہ پرستی کی لعنت سے بھی پاک ہو گیا۔ اور ذاتی ملکیت کا تصور ختم ہو گیا۔ اس سے مملکت کا معاشی نظام افراد کی ضروریات کا کفیل ہو گیا۔ لیکن عرصہ کے بعد جب اس قوم نے ملوکیت کو اپنے ہاں رائج کر لیا تو نظامِ سرمایہ داری کی لعنت بھی آگئی دراصل ملوکیت' مذہبی پیشوائیت اور سرمایہ داری ایک ہی شجرۃ الذقوم کے برگ و بار ہیں۔ پرستی کی لعنت نے دنیا سے آگے بڑھ کر آخرت کو متاثر کر دیا۔ قرآن کا تصورِ حیات اجتماعی تھا۔ داری نے آکر انفرادیت پیدا کر دی۔ اسی نظام سرمایہ داری ہی کا نتیجہ ہے کہ مزارعت' مضاربت اور ت جیسا ربٰو حلال و طیب تسلیم کر لیا گیا۔ انبار در انبار دولت جمع کر کے اس میں سے سال کے بعد پیسے خیرات کر دینے کا نام زکوٰۃ رکھ دیا اور اراضی میں سے مٹھی بھر غلہ اللہ کے نام پر دے کر اسے ہ دیا اور اس خدا فریبی سے مسلمان خود فریبی کا شکار ہوا اور مطمئن ہو کر بیٹھ گیا کہ اسلامی نظام کا پورا ہو گیا۔ اور سند اس کاروبار کی مذہبی پیشوائیت نے روایات' فقہ اور اسلاف پرستی کے مسلک سے

دی۔ جانتے ہو اس سند کے ملنے سے ہماری اجتماعیت کیسے پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔

یہ امت روایات میں کھو گئی
حقیقت خرافات میں کھو گئی

تکریم انسانیت۔ اسلام نے یہ اصول دیا تھا کہ پیدائش کے اعتبار سے تمام انسان صرف انسان ہونے کی حیثیت سے یکساں واجب التکریم ہیں۔ اس ایک اصول نے نسلی اور خاندانی تفاوت و امتیاز کی ساری عمارت منہدم کر دی جس سے وہ خطہ مساوات انسانیہ کے نور سے جگمگا اٹھا۔ اس ایک اصول کی بنیادی قدر کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی مملکت نہ کوئی ایسا قانون بنا سکتی ہے اور نہ معاشرہ میں ایسا نظریہ رائج ہونے دے سکتی ہے جس کی رو سے کوئی انسان (پیدائشی یا پیشہ) اضافی نسبتوں سے شریف یا ذلیل تصور کیا جائے۔ اس سے امت میں وحدت پیدا ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد اس قوم نے پھر سے نسلی امتیازات کو بیدار کر لیا جس کا فوراً یہ نتیجہ نکلا۔

تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت

امت کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی یہی وجہ ہے کہ خلافتِ راشدہ جیسی امتِ مسلمہ کی حکومت کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ یہ سب حکومتیں خاندانوں کی حکومتیں ہیں اور یہ سلسلہ آج تک قائم ہے۔

غلامی۔ اسلام کی رُو سے جب ایک انسان دوسرے انسان کا محکوم نہیں ہو سکتا۔ تو وہ دوسرے انسان کا غلام کیسے ہو سکتا ہے؟ قرآن نے غلامی کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیئے تھے ظہورِ اسلام سے قبل جو غلام تھے انہیں آہستہ آہستہ معاشرہ کا حصہ بنا لیا تھا اور آئندہ کے لیے اس لعنت کو ختم کر دیا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اس قوم نے شرفِ انسانیت کے اس اصول کو ترک کر دیا اور اپنے ہاں پھر سے غلامی کو رائج کر لیا۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے بعد دورِ ملوکیت میں خلفاء کے حرم میں ہزاروں کی تعداد میں لونڈیاں ہوتی تھیں اس وقت ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ ان کو تحفتہً دیا جاتا تھا۔ غلاموں سے بیگار لی جاتی تھی گویا کہ انسانیت بکتی تھی۔

تصریحات بالا سے یہ واضح ہو گیا کہ اس قوم نے جب تک ان بنیادی قدروں کو بطور نظامِ حیات اپنائے رکھا تو زندگی کے خوشگوار نتائج سے بہرہ یاب ہوتی رہی اور جب انہوں نے اسلامی نظامِ حیات کو چھوڑا اور سابقہ روش اختیار کر لی تو خوشگوار نتائج سے محروم ہو گئی یہ نہ سمجھا جائے کہ اسلامی نظام میں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ بلکہ اگر آج بھی اسلامی نظام کی بنیادی قدروں کو اپنا لیا جائے تو قوم

پھر سے زندگی کی خوشگواریاں' کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل کر سکتی ہے۔ اور اقوام عالم میں امتیازی مقام حاصل کر سکتی ہے۔ کیونکہ نظام اسلام میں اب بھی ایسی صلاحیتیں ہیں۔

صلاحیت تو ایک طرف اگر انفس و آفاق کی نشانیوں پر غور و فکر کر کے دیکھا جائے تو یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ چودہ سو سال تک دنیا میں چلا ہی اسلام ہے۔ کیونکہ اسلام کے حقائق کی نمود تخلیق کائنات کے ساتھ ہی ہو گئی تھی اور انہوں نے رفتہ رفتہ آگے بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ راستے میں مختلف زمانوں میں مختلف اقوام نے ان کو اپنایا تو انہیں سرفرازیاں اور خوشگواریاں نصیب ہو گئیں جب بھی انہوں نے ان حقائق کا ساتھ چھوڑ دیا تو وہ مصیبتوں کا شکار ہوگئیں لیکن اسلام بدستور آگے چلتا رہا۔

آیئے ذرا غور کریں کہ پھر یہ اسلام کس طرح بدستور آگے چلتا اور بڑھتا جا رہا ہے۔

دین اسلام کا ارتقاء۔ جو ابدی قوانین اور مستقل اقدار بذریعہ وحی نبیؐ اکرم کی وساطت سے انسانوں کو ملے ان قوانین کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔ اور یہ مجموعہ آج بھی قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے۔ ان قوانین میں اس امر کی صلاحیت ہے کہ وہ تمام موانعات کو راستے سے ہٹاتے ہوئے اوپر کو ابھریں اور اپنی منزل مقصود تک پہنچ کر رہیں۔ ان خوشگوار نظریات حیات میں اس کی صلاحیت ہے کہ وہ آگے بڑھتے جائیں۔ یعنی عروج و ارتقاء کی وہ آخری منزل جسے خدا نے ان کے لیے متعین کیا ہے اس تک پہنچ کر رہیں دوسرے الفاظ میں حق میں اس کی صلاحیت اور قوت ہے وہ باطل کا مقابلہ کر کے اسے شکست دے اور اس طرح اپنے راستے پر چلتا جائے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو زاهق ط (21/18)

ہم حق کا باطل پر نشانہ لگاتے رہتے ہیں۔ حق باطل کا سر توڑ دیتا ہے اور اسطرح باطل شکست کھا کر بھاگ جاتا ہے۔ حق پھر اپنی منزل کی طرف رواں دواں چلے جاتا ہے۔

لیکن اس کی اس طرح بڑھنے کی رفتار بڑی ست ہے جیسا کہ ارشاد ہے

ثم یعرج الیه فی یوم کان مقداره الف سنته مما تعدون (32/5)

ان کی اس رفتار کا ایک ایک دن تمہارے حساب و شمار کی رو سے ایک ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ اگر کبھی ایسا ہو کہ انسانی اعمالِ صالح کی قوت ساتھ دے تو یہ نہایت تیزی سے اوپر کو اٹھا دیتی ہے ورنہ قوانینِ خداوندی اپنی عام ست رفتاری سے خود بخود چلتے رہتے ہیں۔

التعاون - وحی خداوندی + عقل انسانی = اعمال صالح

اعمال صالح + ابدی حقائق = اسلام (دین)

خدا کے ابدی قوانین الاسلام اپنی معمولی رفتار سے خراماں خراماں چلے آرہے تھے۔ ذہن انسانی جس حد تک اپنی عقل کے تجرباتی طریق سے انہیں اپنا چکا تھا وہ اس حد تک ہی ان سے مانوس تھا اور باقی اس کی پہنچ سے دور تھا۔

اتنے میں تقریباً چودہ سو سال قبل سرزمین عرب میں نبی اکرمؐ کا ظہورِ قدسی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ابدی قوانین کا مجموعہ بذریعہ وحی حضورؐ کو عطا فرمایا۔ جو قوانین ذہنِ انسانی کی پہنچ سے باہر تھے اور غیر مانوس تھے حضورؐ کے مخاطب افراد نے جب انہیں عجیب و غریب پایا تو اس کی مخالفت شروع کر دی۔ آپؐ نے اپنی بے مثال تعلیم اور بے نظیر عمل سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ حقائق کس طرح شرفِ انسانیت کے ضامن اور ان کی فلاح و بہبود کے کفیل ہیں۔ جن لوگوں نے ان حقیقتوں کو سمجھ لیا وہ آپ سے متفق ہو گئے اس طرح مومنین کی ایک جماعت حضورؐ کے گرد جمع ہوتی چلی گئی۔ اس جماعت کے اعمالِ صالح نے جب اللہ تعالیٰ کے ابدی حقائق کا ساتھ دیا تو بڑی تعجب انگیز رفتار سے وہ محیر العقول نتائج مرتب ہوئے کہ جن کی شہادت تاریخ کے اوراق آج بھی دے رہے ہیں۔ جو نتائج کہیں ہزار برس میں جا کر محسوس طور پر سامنے آنے تھے وہ چند دنوں میں ہی مشہود ہو گئے۔ یہ سب کچھ اس جماعت کے اعمالِ صالح کی رو سے ہوا تھا۔ جنہوں نے ہر قسم کے تعصب کو ایک طرف رکھ کر علی وجہ البصیرت ابدی حقائق کو آپؐ کی تعلیم اور عمل سے سمجھا تھا۔

اگر یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا اور حقائق اسی تیز رفتاری سے آگے بڑھتے چلے جاتے تو نا معلوم آج کا انسان کہاں تک پہنچ چکا ہوتا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہ سلسلہ ٹوٹ گیا۔ ان حقائق کے ساتھ انسانی جماعت کے اعمالِ صالح کی خارجی قوت ختم ہو گئی جس نے اس کی رفتار میں غیر معمولی اضافہ کر دیا تھا اور ان حقائق نے پھر سے اپنی سابقہ رفتار سے چلنا شروع کر دیا یعنی ان کی رفتار پھر سست ہو گئی۔ لیکن ان ابدی حقائق کا ہر قدم اٹھتا اسی منزل کی طرف جا رہا ہے جس طرف وحی کی روشنی لے جا رہی تھی۔ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ انسان آج سے چودہ سو سال قبل جن غلط نظریات کو سینے سے لگائے ہوئے تھا اب آہستہ آہستہ انہیں چھوڑتا جا رہا ہے اور ان نظریات کی طرف آرہا ہے جنہیں قرآن نے عطا کیا ہے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ اسلام کس طرح خراماں خراماں آگے بڑھتا اور زمانہ اس کے پیچھے پیچھے چلا آرہا ہے ہمیں صرف مسلمانوں کی تاریخ پر ہی نہیں بلکہ نوعِ انسان کی تاریخ پر نظر ڈالنی چاہیے' مسلمانوں کو چھوڑو دنیا کی دیگر اقوام انفس و آفاق کی نشانیوں پر غور و فکر کر کے قرآنی حقائق اپنائے جا رہی

ہیں۔

ایک غیر مسلم مفکر اور بہت بڑے مورخ پروفیسر آرنلڈ ٹوئن بی کے نزدیک دنیا میں عالمگیر برادری متشکل کرنے کا واحد ذریعہ اسلامی نظریۂ اجتماعیت ہے اور اسے یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ اگر یہ نظریہ بھی باقی نہ رہا تو دنیا کا کیا حشر ہو گا۔

بنیادی حقوقِ انسانیت سے متعلق اقوامِ متحدہ کا چارٹر جس میں بنیادی حقوق کا تصور وہی ہے جو قرآن کریم نے آج سے چودہ سو سال قبل بذریعہ وحی عطا کر دیا تھا۔

عقل کے تجرباتی طریق نے انسان کو اس نتیجہ پر پہنچایا کہ ملوکیت' آمریت وغیرہ نظام غلط ہیں ان کے برعکس نظامِ مشاورت صحیح نظام ہے جسے جمہوریت کہا جاتا ہے اس حد تک تو اسلام کا پیش کردہ اصول آگے چلا ہے اور وہ اصول جو پیچھے سے چلا آرہا تھا۔ وہ اسلام کی رو سے باطل ٹھہرا۔ لیکن ہمارے زمانہ تک عقلِ انسانی ہنوز اسلامی اصول کے ایک حصہ کو اپنا سکتی ہے یعنی ملوکیت کی جگہ مشاورتی نظام

بس یوں

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اور اس چنگیزی کی ستیزہ کاریوں سے آپ بزبانِ حال واقف ہی ہیں

"مگر اس تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی"

کہ "بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے"

ایسی ہی صورتِ حال سے پریشان ہو کر اہلِ فکر غلطاں و پیچاں ہیں کہ اس مشاورت کو مستقل اقدار کے تابع رکھا جائے مگر عقل ابھی تک اس راہ کو پا نہیں سکی۔ بایں ہمہ اسلامی اصول کے اس حصہ کی صداقت اور اہمیت دورِ حاضر کے مفکرین کی نگاہوں کے سامنے آرہی ہے اور وہ زور دے رہے ہیں کہ اسے بھی اپنایا جائے۔ وہ دن دور نہیں جب انسان اس اصول کو اپنانے پر مجبور ہو جائے گا۔

لیکن مسلمان اس مذہبی (عجمی) اسلام کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں جس کی رو سے سوچنا سمجھنا ہی حرام ہے لہٰذا یہ اقوامِ عالم میں سب سے پیچھے ہیں۔ جنہوں نے **یتلو علیھم ایتہ** کا پروگرام اپنے سامنے رکھ لیا یعنی خالص قرآن کریم کو اپنا نصب العین بنا لیا اقوام عالم کی امامت ان کے حصے میں آجائے گی۔

ایک اہم نکتہ۔ اسلام کی مخالف قوتوں نے تو اسلام کے خلاف باتیں کرنی ہی ہیں لیکن اس مخالفت میں طرز

اپنوں کا شریک ہونا ایک عظیم المیہ ہے۔مذکورہ عنوان (اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے) اس شخص کا قول ہے جو پہلے پہل اسلام کے معیار قومیت کا بڑا داعی تھا۔شہرت حاصل کرنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد 1916ء میں قید سے رہا ہو کر تحریکِ خلافت کا بڑا سرگرم کارکن تھا' خلافت کانفرنس میں امام الہند بنتے بنتے رہ گیا اور بہت دل برداشتہ ہو گیا' ہندو بنیا نے فوراً اپنی کاروباری حس سے کام لیتے ہوئے اس متاعِ گراں بہا کو اچک لیا اور اسے سر آنکھوں پر بٹھایا اور 1923ء میں آل انڈیا کانگریس کا صدر منتخب کر لیا۔ اس طرح امام الہند تو نہ بن سکا البتہ ماتھے پر قشقہ لگا لیا۔ سیاست کا بڑا ذہین مہرہ باز یعنی میکیاولی سیاست کا سب سے بڑا ماہر متحدہ قومیت کا سب سے بڑا علمبردار' تقسیم ہند کا مخالف' انا پرست تمام مذاہب میں عالمگیر سچائی کا دعویدار' برہمو سماجی اسلام کا خالق (حضرت) مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم تھا جس نے کانگریس میں شمولیت کے بعد لاہور کی ایک نشست میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ سے سیاسی مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے یہ کہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب "آپ کس اسلام کی بات کرتے ہو؟ "یہ ایک چلا ہوا کارتوس ہے"

اس رائے کے بعد مولانا آزاد کے متعلق عقل انگشت بدنداں اور ناطقہ سربگریباں ہو کر فریاد کناں ہوتے ہیں۔

؎ وفا آموختی ازما' بکار دیگراں کردی
ربودی گوہر ازما' نثار دیگراں کردی

دراصل مولانا آزاد اور مخالفین اسلام کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ

یہ اسلام اور مسلمان قوم کو ایک ہی تصور کر لیتے ہیں اور مسلمانوں کی پستی اور زبوں حالی سے اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اسلام دنیا میں ناکام رہا ہے وہ چند قدم چل کر رک گیا اور زمانے کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکا۔اگر مخالفین معہ مولانا آزاد' اسلام اور مسلمان قوم کے فرق کو سمجھ لیتے تو پھر اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے۔

یہ بھلا کہاں ضروری ہے کہ بڑا آدمی تمام عمر بڑا ہی رہے۔بعض آدمیوں کی زندگی میں بڑائی کا حرف ایک ہی دن آتا ہے' اس دن کے ڈھلنے کے بعد باقی زندگی اس بڑائی کی نفی میں بسر ہو جاتی ہے۔نیکی اور بدی کے درمیان صرف ایک قدم کا فاصلہ ہے۔ایک قدم پیچھے ہٹ جائیں تو ننگِ دین و ملت اور ایک قدم آگے بڑھا لیں تو اشرافِ قوم کے سرخیل بن جائیں۔ مولانا آزاد مرحوم اور حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی بصیرت میں اسی ایک قدم کے آگے' پیچھے ہو جانے کا فرق نمایاں ہے۔اول الذکر قرآن اور اسلام کی تعلیمات سے نابلد تو نہ تھے مگر قرآنِ کریم کی نص صریح سے مستنبط "دو قومی نظریہ" سے چشم پوشی کے مرتکب ہو کر نیشنلسٹوں کے آلۂ کار بن گئے۔ان کے برعکس علامہ اقبالؒ جن کے آباء لاتی و مناتی اور

اصل کے سومناتی تھے' اسلام کی پاکیزہ اور شفاف تعلیم سے مستفید ہو کر اقبالؒ نے "اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے" کا ابطال کیا' جس پر صادق ہے کہ

؎ پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

مگر "کعبے" کی مٹی سے اٹھنے والا خمیر بتکدے کا طواف کرنے لگا!

تحریکِ پاکستان میں "دو قومی نظریہ" کی کارفرمائی اور تاثیر سے کس کو انکار کی مجال ہے اور پاکستان کو ایک نظریاتی مملکت کا درجہ اسی لیے حاصل ہے کہ اس کی بنیاد اسلام کے اس ابدی اصول پر قائم ہوئی کہ

؎ "بنا ہمارے حصار ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے"

اس ایک ابدی قدر اور قرآنی نظریے میں جو طاقت' قوت اور جوش نمو دیکھنے میں آیا اس کے مظہر سے ہماری ملی تاریخ برصغیر کے حوالے سے بڑی ہی حوصلہ افزا اور بصیرت افروز ہے۔

ذرا عہدِ رفتہ کو آواز دیں۔ ہندو اکثریت نے اپنا سرمایہ' تجارت' تعلیم' اور اخبار اس قندیلِ قرآنی کو بجھانے میں صرف کر دیئے۔ مخالفت کا دوسرا عنصر گورا فرنگی تھا جو کبھی حیرت سے سفید اور کبھی غصے سے سرخ ہو جاتا۔ کیونکہ اس کا جدید "نظریہ نیشنلزم" "دو قومی نظریہ" سے میل نہ کھاتا تھا۔

مندر اور کلیسا کے بعد کچھ مخالفت ڈیڑھ اینٹ کی مسجدوں سے بھی ہوئی۔ اس میں "تحریکِ طلوع اسلام" کے راہبرِ فرزانہ پرویزؒ نے اقبالؒ کی ہمنوائی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے روح پرور خواب دیکھے اور ان خوابوں کی تعبیر ڈھونڈنے میں متاعِ زندگی وقف کر دی۔

مفکرِ قرآن کو پورا یقین تھا کہ نوع انسان کیلئے یہی پیام آفریں ہے۔ اس گئے گزرے دور میں بھی جب ہمارے امیر۔ مال مست اور فقیر حال مست' بندہ کوچہ گرد اور خواجہ بلند بام تھا' اسلام کے ابدی اصول "دو قومی نظریہ" نے مندر' کلیسا اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجدوں کی بساط الٹ دی تو کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ

"اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے"

نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔

"آخر کار اسلام ہی غالب رہے گا"

اسلام ایک نظامِ حیات (الدین) ہے جسے قرآنِ کریم کے نام سے دفتین میں محفوظ کر دیا گیا ہے قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ نظام دنیا کے ہر نظام پر غالب آئے گا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

هو الذی ارسل رسوله' بالهدٰی و دین الحق لیظهره' علی الدین کله ولو کره المشرکون (9/33)

اللہ نے اپنے رسولؐ کو ضابطۂ ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہی اس لیے ہے کہ یہ نظام تمام نظامہائے

عالم پر غالب آئے خواہ یہ بات ان لوگوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے جو خدا کے ساتھ اوروں کو بھی شریکِ حکومت کرنا چاہتے ہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے

کتب اللہ لا غلبن انا ورسلی ط ان اللہ قوی عزیز (58/21)

اللہ نے یہ لکھ دیا ہے اس کا غیر متبدل قانون ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ غالب آکر رہیں گے اس لیے کہ خدا کا نظام بڑی قوتوں اور غلبہ کا مالک ہے۔

جس قوم کے ہاتھوں یہ نظام قائم ہو گا اس کے متعلق ارشاد ہے۔

ان حزب اللہ ھم المفلحون (58/22)

یہ اللہ کی پارٹی ہے جو یقیناً کامیاب ہو گی اور اس کی مخالف پارٹی کو حزب الشیطان کہا گیا ہے جو ناکام رہے گی۔

اس سے بھی واضح تر الفاظ میں ارشاد ہے۔

ولن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا (4/141)

یہ ہو نہیں سکتا کہ کافر مومنوں پر غالب آجائیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

انتم الا علون ان کنتم مومنین (3/139)

تم مومن ہو تو تم ہی سب پر غالب رہو گے۔

آپ دیکھیں گے کہ ان تمام آیات میں جس جماعت کے غلبہ و تسلط اور برتری و افضلیت کا ذکر آگیا ہے اسے **ان کنتم مومنین** سے مشروط کیا گیا ہے یعنی یہ صورت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک تم اس نظام کو باقی رکھو گے۔ اگر تم نے اس نظام کو چھوڑ دیا تو تم دنیا کی باقی قوموں جیسی ایک قوم بن جاؤ گے جس کا بس مذہبی نام مسلمان ہو گا دین کی رو سے مسلم نہیں۔

عید کارڈ

ادارہ حسب سابق امسال بھی اپنے عید کارڈ شائع کر رہا ہے۔ احباب اپنی ضروریات سے آگاہ فرمائیں۔

چیئرمین ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟

کیا مسلم ہونے کیلئے "خود اپنی ذات" پر بھی ایمان لانا ضروری ہے؟

(یہ مقالہ کنونشن 94ء میں پڑھا گیا)

(مس عاصمہ فردوس نقوی)

یہ بہت بڑا المیہ بھی ہے' سوال بھی ہے اور لمحۂ فکریہ بھی ! پوچھا گیا ہے 'خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟' اس کا کوئی جواب' اطمینان بخش نہیں ہو سکتا جب تک دو لفظوں سے اس کے مفہوم کو کشید نہ کر لیا جائے---- خودی اور مسلمان- کہنے کو تو یہ آسان سے دو لفظ ہیں- بچہ بچہ ان کے مفہوم سے- بظاہر- واقف ہے لیکن ستم یہ ہے کہ دونوں لفظ اپنے معانی سے جدا ہو گئے ہیں- اپنا مفہوم کھو بیٹھے ہیں- خول رہ گیا مغز عنقا ہو گیا ہے- پہچان اور شناخت جاتی رہی ہے ان لفظوں کی !

خواب کس نے نہیں دیکھے ہوں گے؟ خود کو یا کسی کو بھی جب ہم خواب میں دیکھتے ہیں تو کیا PHYSICALLY ہم وہاں موجود ہوتے ہیں؟-- نہیں--- لیکن جاگنے کے بعد ہم بڑے وثوق' یقین اور ایمان سے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ خواب میں' "ہم نے" یہ کیا' وہ کھایا' یہاں گئے وہاں گئے' اس سے ملے' اس کو دیکھا وغیرہ--- ہمارا المیہ یہی ہے کہ ہم ILLUSION میں ہیں سراب اور خواب کی حالت میں ہیں۔لیکن وثوق' یقین اور ایمان یہ ہے کہ یہی حالت مبنی برحقیقت ہے۔خودی اور مسلمان کا جو CONCEPT قرآن نے دیا تھا' ہزار سال پہلے کہیں گم کر آئے ہیں اور لفظوں کو لئے بیٹھے ہیں- نشان راہ تک سامنے نہیں ہے اور منہ اٹھائے چلے جا رہے ہیں- نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم ! نہ منزل کا پتا ہے نہ سفر کا مقصد سامنے ہے-

اک دھن ضرور ہے جو سنی تھی کبھی کہیں
کیا گنگنا رہے ہیں ہمیں کچھ خبر نہیں!

خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟ یہ خودی کیا ہے۔ کیا ہوتی ہے اور اس کا مسلمان سے کیا تعلق ہے۔ کیوں ضروری ہے اس کا مسلماں ہونا؟ کوئی زمانہ تھا خودی کو خود داری سمجھا جاتا تھا اور ترقی و کمال کے لئے اسے مٹا دینا اور ختم کر دینا ضروری سمجھا جاتا تھا۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ "مرتبہ" چاہے
کہ دانہ خاک میں ملکر' گل و گلزار ہوتا ہے

یہ سارا فلسفہ ویدانیت اور تصوف کا تھا جس میں اپنے آپ کو مٹا کر' ذلیل و حقیر بنا کر ہی کوئی مرتبہ ملا کرتا تھا۔ قرآن کریم نے اس کے علی الرغم اپنا فلسفہ پیش کیا اور سمجھایا کہ ہستی کو مٹا کر کوئی مرتبہ نہیں ملتا' بنا کر ملتا ہے۔ جس قدر اپنی ہستی کو بناتا کوئی چلا جائیگا' مرتبہ بھی اسی قدر بلند ہوتا جائے گا۔ اس فلسفہ قرآنی کا نام 'خودی' ہے جو انسانی ذات سے وابستہ ہے۔۔۔۔ اسلام آج باقی نہیں ہے اس کی جگہ تصوف نے لے لی ہے لہٰذا قرآنی مفہوم بھی نظروں کے سامنے نہیں ہے۔ اقبال اس صدی کا شائد پہلا غواص ہے جس نے اس گمشدہ موتی کو قرآن کے بحر بے کراں سے ڈھونڈ نکالا۔ اس نے کہا جس کے پاس یہ موتی ہے اسے کچھ مرتبہ' پانے کے لیئے اپنی ہستی کو مٹانا نہیں پڑے گا بلکہ جتنا جتنا وہ اس موتی کو چمکائے گا اس کی آب و تاب سے ہستی زیادہ منور ہوتی جائے گی اور مرتبہ زیادہ بلند ہوتا جائے گا۔ اسی جھل مل کرتے اور جگمگاتے موتی کا نام 'انسانی ذات' ہے یہی خودی کا وہ قرآنی مفہوم ہے جو ہم ہزار سال پہلے کہیں گنوا بیٹھے تھے اور جس کی بازیافت نہایت ضروری تھی۔

آیئے اب دیکھتے ہیں ہماری خودی کا مسلمان ہونا کیوں ضروری ہے؟ اور مسلمان نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے اور اگر مسلمان ہو جائے تو ہم کون سا معرکہ سر کر لیں گے یا ہماری زندگیوں میں کون سا انقلاب آجائے گا؟

اٹل حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام' ایک وحدت ہے اور ناقابل تقسیم وحدت ہے جس طرح ہمارا جسم ایک مکمل وحدت ہے۔ صدر محترم! جسم کسی چیز کا نام نہیں ہوتا۔ اعضاء کے مجموعے کا نام ہوتا ہے دل' دماغ' ناک' کان' آنکھیں اور دیگر جسمانی اعضاء ایک خاص فطری ترتیب سے اکٹھے ہوں۔ ایک دوسرے سے پیوست ہوں۔ ایک دوسرے کے معاون ہوں تو ان کا مجموعہ 'جسم' کہلاتا ہے۔ ان اعضاء کو الگ الگ کر دیجئے تو یہ اپنے اپنے نام کے اعضاء تو کہلائیں گے جسم نہیں کہلائیں گے جسم غائب ہو جائے گا۔ آنکھ' ناک' کان' ہاتھ پاؤں دل و دماغ سب ہوں گے۔ جسم نہیں ہو گا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہو گی کہ جسم کی وحدت' باقی نہیں ہو گی۔ نہ حیات کا کوئی تصور ان سے وابستہ ہو گا۔ نہ ان میں روح

زندگی رواں دواں ہو گی کہ زندگی اپنے آپ کو منوانے کے لیئے وجود کی محتاج ہے۔ پیکر چاہتی ہے۔ دوسری مثال ہمارے سامنے سمندر کی ہے یہ وحدت ہے جس کی بنا پر سمندر' سمندر کہلاتا ہے اس میں دریا ہیں۔ ندیاں ہیں نالے ہیں۔ ٹھاٹھیں مارتی لہریں ہیں اور یہ سب ایک دوسرے سے وابستہ اور جڑی ہوئی ہیں اور اس وجہ سے سمندر میں تندی ہے' تیزی ہے' شہرت ہے۔ آپ اس کی وحدت کو توڑ دیجئے پانی کو الگ الگ کر دیجئے' تقسیم کر دیجئے۔ تو یہ مختلف ناموں میں بٹ جائیگا۔ سمندر نہیں رہے گا۔ پانی بھی ہو گا۔ موجیں بھی ہوں گی۔ لہریں بھی ہوں گی لیکن کہیں وہ جھیل کہلائے گا کہیں دریا کہیں ندی نالہ--- سمندر کیسا؟ سمندر کا تصور تک اس سے وابستہ نہیں رہے گا۔

یہی حشر ہوا ہے اسلام کا۔ یہی سلوک کیا ہے ہم نے اسلام کے ساتھ------ اسلام ایک وحدت تھا اور ہماری خودی' رگ اسلام میں دوڑتا ہوا لہو------ اسلام فرقہ فرقہ ہو گیا' اس کی وحدت توڑ دی گئی تو فرقے ایمان بن گئے اسلام غائب ہو گیا---

وہ جسم تھا نہ رہا ____ سمندر تھا ناپید ہو گیا

اسلام ہی نہ رہا تو مسلم بھی نہ رہے' ہم بھی نہ رہے۔ شیعہ بن گئے۔ سنی ہو گئے۔ اہل حدیث' اہل قرآن' وہابی' کہلانے پر فخر کرنے لگے۔ ہماری پہچان' ہماری شناخت' ہمارا مرنا جینا سب کچھ اپنے اپنے فرقے کے مطابق ہونے لگا۔ اسلام اور قرآن درمیان سے غائب ہو گیا۔ اس سے کوئی واسطہ ہی نہ رہا۔ اقبال کی روتی ہوئی آنکھوں نے اللہ سے شکوہ کیا تو جواب شکوہ آیا۔

یوں تو سید بھی ہو' مرزا بھی ہو' افغان بھی ہو!
تم سبھی کچھ ہو' بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

جب ہم فرقوں میں بٹ گئے' مسلمان ہی نہ رہے تو ہماری خودی مسلمان کیسے رہ سکتی ہے؟ مسلم ہونے کی شرط اول تو 'وحدت امت' ہے۔صرف اور صرف قرآن کی پیروی اور تقلید ہے--- اللہ نے فرمایا

"یاد رکھو! جو لوگ (زندگی کے ہر معاملے میں) اللہ کی طرف سے بھیجے گئے (قرآن) کے مطابق (عمل اور فیصلے) نہیں کرتے تو وہی لوگ کافر ہیں (خواہ وہ لاکھ کہیں کہ ہم مسلم ہیں اللہ ان کے اس اقرار کو تسلیم نہیں کرتا) 5/44

کہاں ہیں قرآن پر عمل کرنے والے اس دنیا میں؟

کس کو دعویٰ ہے قرآن کی پیروی کا؟

وہ عدالتیں دنیا کے کس خطے میں قائم ہیں جہاں قرآن کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں؟

اے قرآن کا نام لینے والے لوگو! ------- اے ہم سے سوال کرنے والے بزرگو! ------- نئی نسل کے ہم جوان اور بچے آپ کی طرف حیرت سے دیکھتے اور تعجب سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے ہم کو دیا کیا ہے؟ انسانوں کی بنائی ہوئی شریعتیں اور مسلک؟ ہم سے اگر کوئی سوال کرنا ہے تو اپنی دی ہوئی شریعتوں اور مسلکوں کے متعلق سوال کیجئے۔ ہم سے یہ پوچھئے کہ ہماری خودی شیعہ کیوں نہیں ہے؟ سنی یا دیوبندی یا بریلوی کیوں نہیں ہے؟ جو پڑھایا ہی نہیں۔ بتایا ہی نہیں۔ امتحان میں اس سوال کا جواب ہم کیا دیں؟ ہم نے تو اسلام کو نہ دیکھا نہ جانا اور نہ ہی کسی نے ہمیں سمجھایا اور بتایا۔ بھلا ہو اس صدی کے مردِ قلندر غلام احمد پرویز کا جس نے مخالفتوں کے پل صراط پر کھڑے ہو کر۔ کفر کے کوڑے کھا کر۔ نفرتوں کی تپتی جھلستی دھوپ میں جل کر فہم قرآن کی روشنی ہم تک پہنچائی اس جگنو کی سی چمک میں ہم نے جو دیکھا سنا اور سمجھا ہے۔ صدر محترم! وہ اس قدر ہے کہ زندگی ایک ہی طرح کی ہوتی ہے۔ چرند پرند' حیوانات اور انسان سب کی زندگی کی ایک ہی سطح ہے۔ اسے ہم طبعی زندگی کہہ سکتے ہیں۔ ایک ہی طریق سے پیدا ہونا۔ غذا کے سہارے زندہ رہنا۔ آرزوؤں کی تکمیل کے لئے جدوجہد کرنا۔ جسم وجاں کے تقاضے پورے کرنا اور مرجانا۔ ساری کائنات میں واحد انسان وہ مخلوق ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توانائی کا شمہ یا ذرہ داخل کیا اور اس شمہ کو اپنی روح' کہا۔ **نفخ فیہ من روحہ** (32/9) اسی کا نام PERSONALITY ذات' نفس DIVINE ENERGY یا خودی ہے یہ انسان کو DEVELOPED شکل میں نہیں ملتی بلکہ اسے انسان کو خود DEVELOP کرنا پڑتا ہے اور انسان اسے صرف اور صرف وحی' کی تعلیم اور ہدایت کی روشنی میں ہی DEVELOP کر سکتا ہے۔ انسان کا جو عمل وحی کی ہدایت اور پروگرام کے مطابق ہو گا اسی سے انسان کی خودی مستحکم اور مضبوط ہو گی اور انسان دیگر مخلوقات اور حیوانی سطح سے الگ' اشرف اور افضل تر ہوتا چلا جائے گا۔ گویا جو شخص اپنی خودی کو وحی' کے تابع اور فرماں بردار نہیں بنائے گا وہ مومن یا مسلم ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اس اعتبار سے۔ بقول علامہ غلام احمد پرویز

"جس شخص کا ایمان اپنی ذات پر نہیں اس کا' اللہ پر ایمان لانا کچھ معنی نہیں رکھتا"۔ (من ویزداں۔ صفحہ 9)

یاد رہے کہ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب اپنی خودی کو بلند کرنا اور DEVELOP کرتے چلے جانا ہے۔ اس سے انسان اور انسانیت کی ہی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے مشن اور پروگرام کی بھی تکمیل ہوتی ہے۔

قرآن کریم نے بتایا کہ زندگی کی صرف دو ہی روشیں ہیں ایک طیب یعنی مثبت دوسری خبیث یعنی منفی (5/100) ہو نہیں سکتا کہ کوئی منفی راہ اختیار کرے اور مثبت نتیجہ برآمد کر لے۔ مثبت راہ کا آغاز تو ہوتا ہی خودی سے ہے۔ خودی طیب راہ کا سرا ہوتی ہے۔ جس شخص یا قوم کے پاس سرا ہی نہیں ہو گا وہ ساری عمر الجھی اور بھٹکی رہے گی اور الجھا اور بھٹکا ہوا ذہن معاشرہ کو کبھی پرسکون نہیں رکھ سکتا۔

آج ساری دنیا اور سارا علمی معاشرہ محض اس لیئے بے چین اور مضطرب ہے کہ انسان اپنی خودی کی DEVELOPMENT کی طرف سے غافل ہو گیا ہے یعنی اس نے 'وحی' کی تعلیم و ہدایت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔

ایمان لانا ہو گا۔ اللہ پر' اس کی کائناتی قوتوں یعنی ملائکہ پر۔ جس قدر بھی کتابیں نازل ہوئی ہیں ان سب پر۔ جتنے رسول اس دنیا میں آئے ان سب پر اور اس بات پر کہ مرجانے سے ہماری زندگی ختم نہیں ہو جائے گی بلکہ صرف PHASE بدلے گا۔ ہم دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔۔۔۔ کیسے؟ مرتو ہم گئے۔ جسم تہہ خاک چلا گیا۔ یہ آخرت کی طرف منتقل کون ہوا؟ کیسے ہوا؟ قرآن نے کہا وہ جو تہہ خاک ہو گیا۔ گل سڑ گیا۔ وہ تو جسم تھا۔ لیکن جو چیز نہیں مری۔ جس نے آخرت کا سفر طے کیا۔ جزا سزا دیکھی۔ ثواب عذاب بھگتے۔ وہ تم تھے تمہاری ذات تھی تمہاری خودی تھی۔ جس نے اس دنیاوی زندگی میں اس کی نشوونما کر لی وہی آخرت کی ارتقائی منازل طے کر سکے گا۔ جو اس کی طرف سے غافل ہوا وہ تنہا رہ جائیگا اور ابدالآباد تک غم' دکھ اور پچھتاوے کے جہنم میں جلتا رہے گا۔

کہنے کو آج دنیا کے کروڑوں بلکہ ایک ارب سے بھی زیادہ انسان "مسلمان ہیں لیکن انکا دعوائے ایمان اللہ کے نزدیک کوئی معانی نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ ان میں کسی کا ایمان اپنی ذات پر نہیں ہے اور وہ ذات کی DEVELOPMENT پر توجہ ہی نہیں دیتے۔

یاد رکھیئے جب تک ہماری خودی مسلمان نہیں ہو گی ہم کبھی پنپ ہی نہیں سکیں گے۔ اسی طرح ذلیل و خوار رہیں گے اور چشم فلک اسی طرح ہمارا تماشا دیکھتی رہے گی۔ یہ خودی مسلمان کیوں نہیں ہورہی۔ اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کیا ہے؟

قرآن کی تعلیم کی روشنی میں اس کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ ہے ہماری اسلاف پرستی اور مذہبی پیشوائیت۔ جو کچھ اوپر سے ہوتا چلا آرہا ہے اور بڑے کرتے چلے آرہے ہیں انہی کاموں' رسموں' رواجوں

کو ایمان بنا لینا اور ان سے انحراف نہ کرنا اسلاف پرستی کہلاتا ہے۔ رہ گئی مذہبی پیشوائیت۔ تو وہ اللہ کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ مختلف مسلکوں اور انسانوں کے بنائے ہوئے عقیدوں اور شریعتوں کی نمائندگی کرتی ہے اور وہ انسانوں کو انہی عقیدوں اور مسلکوں پر پختہ تر کرتی چلی جاتی ہے۔ یہ مختلف عقیدے اور مسلک ہی تو مختلف فرقے کہلاتے ہیں جو تمام کے تمام انسانوں کے ہی بنائے ہوئے ہیں۔ کسی ایک روش سے فرق کرنے ہی سے تو 'فرقہ' بنتا ہے۔

مزید تفصیل اور وضاحت میں نہیں جاؤنگی--- خودی کیا ہے--- مسلم کسے کہتے ہیں اور ہماری خودی مسلمان کیوں نہیں ہے؟ Sum-up کرتے ہوئے مختصر ترین الفاظ میں پھر دہرا دوں کہ خودی وہ الوہی توانائی (Divine Energy) ہے جو ہر انسان کو ذات کی شکل میں ملتی ہے اور اس پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلم ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ نے یہ ہر ذی نفس کو عطا کی ہے اس پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اسی نے آخرت کا گرم سرد دیکھنا اور چکھنا ہے۔ تکمیل انسانیت' عالمی امن اور آسودگی قلب کے لئے اس کا DEVELOP ہونا بہت ضروری ہے یہ DEVELOP کیوں نہیں ہو رہی یعنی مسلمان کیوں نہیں بن رہی؟ اس لئے کہ اس کے راستے میں اسلاف پرستی اور مذہبی پیشوائیت کے دیو قامت پہاڑ آکھڑے ہوئے ہیں اور ساری انسانیت ان کے ہولناک اندھیروں میں ڈوب گئی ہے۔ لیکن _____ اندھیروں کا ہجوم کتنا ہی ہولناک کیوں نہ ہو وہ ایک کرن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جس وقت قرآن کی ننھی سی کرن بھی ظلمت کدۂ دل میں در آئی یہ اندھیرے بھک سے اڑ جائیں گے۔

رات گھمبیر سہی' وقت بھی تاریک سہی
ایک ننھا سا دیا' ہم بھی جلا کر دیکھیں

عزم شرط ہے اور اللہ کے وعدے پر ایمان شرط ہے۔ ہم بھی خودی کو DEVELOP کر کے دیکھیں۔ اسے مسلم بنانے کی ادنیٰ سی کوشش تو کر کے دیکھیں۔ خود پر ایمان لا کر تو دیکھیں۔ لیکن دیکھنے کے لیئے بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت کی بھی تو ضرورت ہوتی ہے۔ (شکریہ)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

معزز قارئین!

اس پرچے کی ترسیل کے ساتھ دسمبر94ء تک کا زر شرکت اپنے اختتام کو پہنچا۔
1995ء کے لئے زر شرکت جتنی جلد ممکن ہو ارسال فرمادیجئے۔ پرچہ بذریعہ VPP صرف آپ کی ہدایت پر بھجوایا جائیگا۔
پیشگی کھاتوں سے جاری ہونے والے پرچے بدستور جاری رہیں گے۔
ادارہ آپ کے تعاون کے لئے شکر گزار ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

(کنونشن 1994ء میں پڑھا جانے والا مضمون)

(صائمہ حمید)

اپنے انداز کی بھی اک غزل پڑھ مومن
آخر اس بزم میں کوئی تو سخن داں ہو گا

انسانی فکر نے آج تک جتنے بھی نظریات تخلیق کیے ان میں سے بیشتر کا دارومدار سرگرمیٔ عمل کی نفی پر منتج ہوا۔ قرآن آیا اور اس نے للکار کر کہا۔

لقد خلقنا الانسان فی کبد ط (90:4)

انسان کو محنت و مشقت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی حیات و عمل لازم و ملزوم ہیں۔ گویا

زندگی در جستجو پوشیدہ است

قرآن پاک نے اس پیغام کو بار بار دھرایا ہے کہ زندگی کا ہر باب اور حیات کا ہر گوشہ سرگرمیٔ عمل کے بغیر ناتمام ہے۔ یہی بقائے حیات کا راز ہے۔ اسی سے ٹوٹا ہوا تارا ماہ کامل بنتا ہے۔ اسی کی بدولت انسان میں وہ قوت جنم لیتی ہے جس کے سامنے سبھی راز ہائے حیات آشکارا ہو جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

تجزون ما کنتم تعملون (45:28)

"تمہیں اپنے کاموں ہی کا بدلہ ملتا ہے"

"عمل" ہر مشکل، ہر مصیبت اور ہر طوفان کا موثر جواب ہے۔ اسی کے دامن میں خود داری کی روایت پروان چڑھتی ہیں، اسی کے ہاتھوں قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں لکھی جاتی ہیں۔ یہی وہ قوت ہے جو انسان کو اس کی معراج سے روشناس کراتی ہے۔

زمانہ شاہد ہے۔ ایشیا میں غلامی کی ٹوٹتی ہوئی زنجیروں کی جھنجھناہٹ پکار پکار کر ان نیک روحوں کے جوش عمل کی شہادت دے رہی ہے، جن کے ذوق عمل سے ٹکرا کر یہ پاش پاش ہو گئیں۔ عمل کی قوت

اتنی تندو تیز اور اس قدر نتیجہ خیز ہے کہ اس جوہر سے ہر تمنا پائیہ تکمیل تک پہنچتی ہے' ہر آرزو شرمندہ تعبیر ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ اچھی ہو یا کہ بری۔ حیات بخش ہو یا کہ تباہ کن۔

؎ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

: پھر قرآن کے الفاظ میں

لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت ط (2:286)

جو اچھا کرے گا اس کا پھل اسی کو ملے گا اور جو برا کام کرے گا اس کا خمیازہ بھی وہی بھگتے گا۔

چنانچہ قرآن پاک کی تعلیم کے مطابق عمل ہی سے انسانوں کی تقدیریں بنتی اور بگڑتی ہیں۔ عمل ہم بھی کرتے ہیں مگر اس طرح کہ ہمارے ہاں جب بھی کوئی نیا المیہ جنم لیتا ہے یا ہم کسی نئی مشکل سے دوچار ہوتے ہیں تو ہم تقریروں' تقریبوں' کانفرنسوں اور قرار دادوں کا ایسا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں کہ ہمیں یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ ہماری مشکل کیا ہے۔ میں پوچھتی ہوں ارباب بست و کشاد سے کہ کہاں رہ جاتا ہے آپ کا وہ ذوق عمل ؟ **کہاں** گم ہو جاتا ہے آپ کا وہ جوش ایمانی جو مومن کو آشنائے رمز حیات بنا دیا کرتا ہے۔ اللہ کا تو مومنین کے لیے یہ ارشاد ہے کہ

جھدوا باموالھم وانفسھم (9:88)

وہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے ہمیشہ جدوجہد کرتے ہیں جہاں دولت صرف کرنی پڑے' دولت خرچ کرتے ہیں جہاں جان دینی پڑے جان دینے سے بھی گریز نہیں کرتے مگر ہم ہیں کہ ہمارا اجتماعی زوال ہماری غیرت کے لیے چیلنج بن چکا ہے۔ بڑھتی ہوئی سماجی برائیاں۔ غربت' جہالت' بدنظمی' اخلاقی انحطاط' سماجی گراوٹ' سیاسی خلفشار ہمیں اپنی ذلت کا احساس دلا رہے ہیں لیکن ہم ٹس سے مس نہیں ہو رہے۔ شائد اس لیے کہ ہم سمجھ چکے ہیں کہ ہماری بے بسی ہماری بے عملی کا نتیجہ ہے۔ جہاں تک مقاصد کا تعلق ہے تو وہ ہمارے سامنے پچھلے چالیس برس سے تھے اور اب بھی ہیں۔ اسلامی معاشرے کا قیام' اقتصادی و سیاسی استحکام یا پھر انسانیت کے وسیع تر مفادات کا تحفظ۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے ہمارے ہاں نہ قوت بازو کی کمی ہے اور نہ ذہنی صلاحیتوں کا فقدان---- مگر صرف ہماری بے عملی کی وجہ سے زندگی کے ہر شعبے میں ہمیں ناکامی سے واسطہ پڑتا ہے اور ہم شکوہ سنج ہوتے ہیں کہ:

؎ رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

ذوق عمل سے عاری مسلمانوں پر اور گرتا بھی تو کیا؟ یہ وہی مسلمان ہے جس کے لیے اقبالؒ نے کہا تھا کہ:

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں

اسے معلوم تھا کہ عمل کا انحصار ذوق تمنا کی بے تابیوں پر ہے اگر یہ بے تابیاں رخصت ہو گئیں تو نئی منزلیں بھی کھو جائیں گی۔ اس کا یہ حیات بخش پیغام فضا میں آج بھی اسی طرح گونج رہا ہے کہ

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
زندگی کی قوت پنہاں کو کر دے آشکار
تا یہ چنگاری فروغ جاوداں پیدا کرے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذِکرِ الٰہی

(حسین امیر فرہاد)

ہمارے ہاں آئے دن ذکر کی محفلیں جمتی ہیں۔ ذکر کے فضائل بیان کئے جاتے ہیں۔ جسے دیکھو ذکر الٰہی میں مشغول ہے۔ کوئی زیر زبان اللہ اللہ کہہ رہا ہے اور کوئی تسبیح لئے گنتی بھی کئے جا رہا ہے۔

فرمان الٰہی ہے۔

فاذکرونی اذکرکم (2:152)

اس کا عام ترجمہ کیا جاتا ہے "تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کرونگا۔"

یہ ذکر ہے کیا؟۔ اس کے صحیح مفہوم تک پہنچنا قدرے دشوار ہے کیونکہ ہماری مشکل یہ ہے کہ جب کوئی عربی لفظ ہماری زبان میں منتقل ہوتا ہے تو ہم اس کے وہی معنی لیتے ہیں جو ہمارے ہاں سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً "رقیب" ہمارے ہاں اکثر رو سیاہ ہوتا ہے حالانکہ عربی زبان میں رقیب نگران کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں چھیالیسواں نام رقیب ہے۔ لفظ 'ذکر' قرآن کریم میں کم و بیش دو سو بانوے جگہ آیا ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی چیز کو محفوظ کر لینا۔ کسی بات کو دل میں حاضر کر لینا یہ لفظ نسی کے مقابلے میں آیا ہے جس کے معنی ہیں کسی بات کو بھلا دینا۔ فراموش کر دینا۔ نسیان ایک مرض ہوتا ہے' جس میں یادداشت کھو جاتی ہے۔ اپنی زبان پر غور کریں تو بھی ذکر سے تسبیح گھمانے کے معنی اخذ نہیں ہوتے۔ مثلاً آپ کی محفل میں میرا ذکر ہو رہا تھا۔ میرا ذکر ان سے ہرگز نہ کرنا۔ اس میں میرا ذکر کیسے آگیا۔ ان فقروں سے کہیں بھی مترشح نہیں ہوتا کہ "ذکر" کا مطلب "ورد" ہے نہ بزم مذاکرہ سے مقصود محفل ذکر ہوتا ہے۔

آیہ مذکور میں دو الفاظ ہیں "فاذکر" اور "اذکرکم" دونوں کو الگ الگ دیکھئے۔

"ذکر"

"ذکر کا مطلب ہے تم زندگی کے کسی شعبے سے منسلک ہو۔ مجھے یاد رکھو' پارچہ فروش ہو۔ گاہک گز اور میٹر کا فرق نہیں سمجھتا۔ پھر بھی کوئی طاقت موجود ہے جو تمہارے ہیر پھیر پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ بقال ہو تو بھی ایک ہستی موجود ہے جو تمہارے کلو' سیر اور لٹر کے ہیر پھیر کو جانتی ہے۔ سرحدوں پر مامور

ہو اور کوئی انسان تمہیں نہیں دیکھ رہا تو بھی ایک طاقت ہے جو تمہاری نیت سے آگاہ ہے۔ مسجد کی طرف گامزن ہو یا مے خانے کا رخ کئے ہوئے ہو۔ کوئی ہے جو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اپنا ہر قدم اٹھانے سے پہلے اسے یاد کر لو۔ تم گمراہ ہونے سے بچ جاؤ گے۔

اب باری آتی ہے' "اذکرکم" کی۔ فرمایا تم اگر مجھے یاد رکھ کر برائی سے بچے رہے تو اس کے بدلے میں خوشگوار نتائج جو تمہارے حصہ میں آئیں گے۔ ہم تمہیں یاد رکھیں گے۔

اس آیہ جلیلہ کا یہ مطلب نکالنا کتنی کوتاہ اندیشی ہے کہ تم ہمارے نام کی مالا جپو ہم تمہارے نام کا ورد کریں گے۔ سچ کہا تھا کسی نے کہ ترجمہ کرنے والا قرآن جیسی عظیم کتاب کو اپنے پست ذہن کی سطح پر لے آتا ہے۔ فلاح اسی میں ہے کہ قرآن کو قرآن ہی سے سمجھا جائے۔

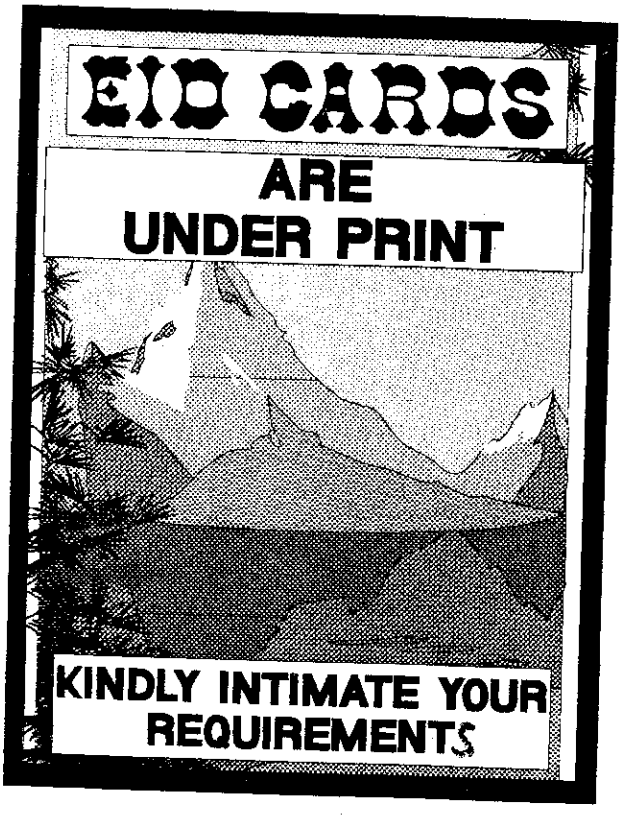

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسجدیں امامت سے خالی کیوں ہیں

(حافظ محمد یعقوب خاں تاجیک)

بلا توقف یہ عرض کر دوں کہ میری یہ ساری تحریر مسجد اور اس میں امامت اور موجود مذہبی خلفشار کے گرد گھومتی ہے۔ اس تحریر کا تعلق مسلمانوں کے کسی فرقے یا کسی فرقے کے عقیدۂ امامت' آفاقی انسان اور ولایت کے کسی تصور سے نہیں۔ (حافظ) محمد یعقوب خان تاجیک۔

مسجد جو عبادت گاہوں میں ایک مقدس مقام ہے امامت سے خالی کیوں ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب آسانی سے ہر کوئی دے سکتا ہے کہ مسجدیں خالی نہیں ہیں۔ اماموں سے یہ بھری پڑی ہیں۔ کوئی مسجد ایسی نہیں ہے جس میں مسجد کا امام نہ ہو' امام کے بیٹھنے کا ممبر نہ ہو' امام کے خطبے کی آواز نہ آرہی ہو۔

اور جب امام ہیں تو امامت بھی ہو رہی ہے۔ جماعت کو نماز پڑھانے کا کام بھی ہو رہا ہے اور ان امتیوں پر اللہ کی رحمت بھی ہو رہی ہے۔

زبانی اور تقریری لحاظ سے یہ خلاصہ درست ہے لیکن پیش آنے والے واقعات ہمیں بتا رہے ہیں کہ مسجدوں کے نہ امام ہیں اور نہ امامت ہے۔ صرف مسجدیں ہیں اور مسجدوں میں نماز پڑھنے والے لوگ ہیں۔

اور مسجدوں کی خاموش آواز ہے جو اس تسلسل کے ٹوٹ جانے پر غمگسار ہے جس تسلسل کو قائم کرنے میں فائز المرام لوگوں نے انسانوں کی رہبری کی۔ اور راہبری اتنی دلیل اور اتنی دلنوازی سے کی کہ دنیا کے دھندوں میں پھنسے ہوئے لوگ منازعت اور فتنہ سازی سے باز آگئے۔ بد نصیبی اور اس کی منحرف شکل جاتی رہی۔

امام کیا ہیں؟ آج کی اصطلاح میں یہ وہ مذہبی پیشوا ہیں جو نماز پڑھانے اور مردوں کو غسل دینے اور

ان کی تکفین کرنے کا پیشہ اختیار کرتے ہیں-

اور جو لوگ ان اماموں کے مقتدی بنتے ہیں' ان کو پیسے دے کر ان سے مذہبی رسومات ادا کرواتے ہیں' اماموں کی روٹی اور ان کے گھریلو اخراجات کا بندوبست بطور ثواب کرتے ہیں' ان ہی لوگوں کے اندر تعصب اور غصے کو پیدا کرنے میں یہی امام ایسی روایات کو حوالہ کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ اچھے بھلے انسان اپنے جیسے دوسرے انسانوں کو جہنمی قرار دینے لگتے ہیں-

اور مذہبی فرقوں کے اس ہجوم میں ان اماموں کی پیدا کی ہوئی نفرت اسی انداز سے آگے بڑھتی رہتی ہے اور لوگ اپنوں سے دور اور زیادہ دور ہوتے چلے جاتے ہیں- وہی نماز جسے یہ مل کر ایک مسجد میں پڑھتے ہیں اسی نماز کی ادائیگی ان کو کسی اور مسجد میں ادا کرنی پڑتی ہے- اور یہ علیحدگی بعض اوقات اتنی شدید ہو جاتی ہے کہ لوگ مسجدوں میں جانے سے گھبراتے ہیں-

اور وہ بچے جو مسجدوں میں سپارہ پڑھنے کے لئے جاتے ہیں ان میں سے اکثر کو یہ شکایت رہتی ہے کہ اماموں کے رویے ٹھیک نہیں ہوتے- چند آیات کو یاد کرنے اور مار کھانے کے علاوہ ان کو وہاں سے کچھ نہیں ملتا-

مسجدوں کی امامت کے لئے اماموں کی اتنی بڑی تعداد جس میں دن بدن تیزی سے اضافہ ہوتا ہے آتی کہاں سے ہے اور یہ لوگ جو امامت کا پیشہ اختیار کرتے ہیں ہوتے کون ہیں- اور ان کی تعلیم و تربیت کے معیارات کیا ہیں- اس طرح کے کتنے ہی سوالات ہیں جو جوابات چاہتے ہیں لیکن اس وقت ان میں جانے کی ہمیں ضرورت نہیں-

آپ اس سارے مسئلے کو صرف اس ایک زاویے سے دیکھیں کہ ایک نوزائیدہ امام---- فروتن و فرومانده------ جو ہادی بن کر کسی مذہبی مدرسے یا درگاہ سے نکلتا ہے وہ کسی بستی سے معاش کی رقم وصول کرنے کے طریقے کون سے اختیار کرتا ہے- اپنی ڈیوڑھی وہ کیسے بناتا ہے؟-

یہ شخص' خائف و ناتواں' بڑی ملائمت بڑی فرمانبرداری سے نئی آبادیوں کو اپنی جمی ہوئی نظر سے دیکھتا ہے- اور پھر اسی علاقے کی کسی اور مسجد کے امام کی آشنائی سے اچانک ایک دن کسی خالی جگہ کو جائے پناہ بنا کر--- تھوڑی آب پاشی کے بعد--- اس پر اذان دے دیتا ہے اور اذان دی ہوئی جگہ پھر کسی اور کی ملکیت نہیں رہتی- اسی شخص کی پیشوائی کے لئے مسجد کی بنیاد بن جاتی ہے-

پہلے زمین پر رکھی ہوئی چند اینٹیں' پھر سامنے کی کچی دیوار اور اس پر محراب کا کچا نشان' معمولی سا منارہ یا پھر لاٹھ پر لاؤڈ سپیکر کا پرانا دھوتو- یہ اس کا ٹھکانہ بھی ہوتا ہے اور یہی وہ مسجد ہوتی ہے جس

سے اپنے عقائد کے فروغ کو فروغ تجارت کی غرض سے یہ پھیلاتا ہے۔ اسی سے زچہ کی طہارت اور اسی سے گناہ سے برات کے اعلانات یہ کرتا ہے۔ اور پھر اسی سے دوسروں کو منکر دین اور اسی سے دوسروں کو گستاخ رسولؐ کہتا ہے پھر اسی سے دوسروں کی روایات اور دوسروں کی تصنیفات کو دوسروں کے نام سے منسوب کرتا ہے۔ اور پھر ان ساری جزئیات کو مفید مطلب بنا کر کام میں لاتا ہے کہ اس کی روٹی کا مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں رہتا۔

ختم و درود پڑھے کھانے اور زکوٰۃ کے پیسے اور تبرکات کے تحفے اور صدقات کی چیزیں اور قل کے کپڑے امام کی قوت اور تجدید قوت کے لئے امام پر کافی ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سارے خلعت اور دم و درود کی ساری مجازیت مطابق معمول بنی رہتی ہے اور اس وقت تک بنی رہتی ہے جب تک یہ امام مسجد کی امامت پر فائز رہتا ہے۔ اور جب قدیم ادبی چیزوں کو الٹ پھیر کر کے ان کو اپنے نام سے' بڑی تقطیع کی کتاب میں' شائع کرانے کا حق تالیف محفوظ کراتا ہے تو بے فکرا ہو جاتا ہے کیونکہ معدومیت سے نکل کر وہ ایسے مقام پر آکھڑا ہوتا ہے جہاں محافظی ھنڈی کے ساتھ اس کے فتوے کو جلا ملتی ہے۔

اور زبان و قلم کی اس روانی سے

1- امام کا عمل سچائی سے وابستہ نہ رہا۔
2- خوش تقریر اور چرب زبان رہ کے اس نے کامیاب زندگی بسر کی مگر علمی تحقیق میں اسے قدرت حاصل نہ ہوئی۔
3- مسجد کی امامت سے سچی رہبری نہ رہی۔
4- مسجد کے مکتب سے روحانی اور معنوی ضروریات کی کفالت نہ ہوئی۔
5- مذہبی مدارس کی تدریسی کتب سے لامذہب اور بے علاقہ تحریروں کا اخراج ممکن نہ رہا۔
6- اسلامی معاشرت میں شرک کا جو ذخیرہ تھا وہ خالی نہ ہوا۔
7- بھیک کی ٹوکری اور مانگنے کا کاسہ نہ ٹوٹا۔

کاش کہ مسجد کے امام کی تناسب قلبی اور ژرف نگاہی اس طرح رہتی کہ وہ

1- اپنے آپ کو پہچاننے کے لئے خود کو اللہ کی کتاب کے سامنے پیش کر دیتا اور الکتاب کے مطابق بات کرتا۔
2- دین کو دنیا تک پہنچانے کے لئے ذاتی لوازم حیات کو آڑ نہ بناتا۔
3- اپنی ظاہر داری سے نمازیوں کو دھوکہ نہ دیتا۔
4- سماجی' عدالتی' سیاسی' اقتصادی مسائل کو سمجھتا۔

5- امانت اور اخلاص کی پاسداری کرتا اور خلائق کی ضروریات کو مدنظر رکھتا۔ نہ خود بھٹکتا نہ جرائم سے چشم پوشی کرتا۔

6- خود دار ہوتا کہ امامت سے نفع کمانے کے خیال کو ترک کر دیتا۔

7- رزق کے حصول کے لئے کوئی اور روزگار اختیار کرتا۔

8- دین اسلام میں فرقہ واریت کو مزاحمانہ طور سے روکتا۔ اور حسن اخلاق سے عالم انسانی کی بات کرتا۔

تو فضیلت کی سند جہاں اسے اللہ کی طرف سے عطا ہوتی وہاں انسانوں کی یکساں روی سے ایک ایسی متحدہ جماعت مسجد سے تشکیل پاتی کہ سب ہم وطن اور سگے بھائی اور سگی بہنیں دکھائی دیتے۔

اور مسجدوں کے امام چونکہ اپنا قول اور اپنی زبان ہار گئے ہیں اور اس شے سے جو اظہار عنایت کے طور پر ان کو رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات گرامی کے پیچھے چلنے سے ملی تھی۔ دستبردار ہوئے ہیں اس واسطے مسجدیں امامت سے خالی ہیں۔

نقد و نظر

نام کتابچہ	:- تخلیق الانسان	ہدیہ	:- 12 روپے
	:- کمانی القرآن	ملنے کا پتہ	:- مکان نمبر 23 جی گلی نمبر 6
تالیف و ترتیب	:- ایم بشیر احمد		نبی پورہ ارائیاں باغبانپورہ
مرتب	:- تجلیات القرآن لاہور		لاہور۔ 9 (P.C. No. 54920)

ایم بشیر احمد صاحب نے یہ کتابچہ قرآن کریم کی روشنی میں مرتب کیا ہے اور بتایا ہے کہ قرآن کریم نے تخلیق انسان سے متعلق کیا کیا حقائق پیش فرمائے ہیں۔ قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والوں اور خصوصاً علوم سائنس سے شغف رکھنے والوں کے لئے معلومات افزا کتابچہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریک طلوع اسلام کی رفتار

حق و صداقت کی آواز اپنے زور دروں سے آگے بڑھتی رہتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ اس طرح اس کے بڑھنے اور پھیلنے کی رفتار سست ہوتی ہے لیکن اگر اسے انسانی دست و بازو کا تعاون حاصل ہو جائے تو اس رفتار میں تیزی آجاتی ہے۔ اس کے اس زور دروں کی شہادت خود ہمارا تجربہ ہے۔ طلوع اسلام کے ذریعے یہ آواز 1938ء میں بلند ہوئی اور تشکیل پاکستان کے بعد 1948ء سے یہ مسلسل اور متواتر بلند کی جا رہی ہے۔ طلوع اسلام کا یہ تجربہ بالکل انوکھا ہے۔ اس نے نہ کوئی پارٹی بنائی۔ نہ اپنے آپکو کسی مذہبی فرقہ سے منسلک کیا اور نہ ہی اپنا کوئی نیا فرقہ کھڑا کیا۔ نہ ہی اسے کوئی خارجی سہارا میسر آیا۔ اس کے برعکس، مخالفتوں کے ہجوم نے اسے چاروں طرف سے طوفانوں کی طرح گھیرے رکھا۔ اس نے بلا سازو یراق ان سب کا مقابلہ بھی کیا اور اپنے نحیف و نزار قدم آگے ہی بڑھاتا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب مخالفتوں کے بادل رفتہ رفتہ چھٹ رہے ہیں اور حقیقت ان قلوب پر بھی روشن ہوتی جا رہی ہے جنہیں یہ کہہ کر ڈرایا جاتا تھا کہ اگر تم نے طلوع اسلام کو چھو لیا تو تمہارا ایمان جاتا رہے گا۔ اب نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ (چاروں طرف سے مایوس ہو کر) قرآن خالص کی اس آواز کی طرف لپک کر آرہا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

طلوع اسلام کی بزمیں اس فکر کو آگے پھیلانے کے مقامی مراکز ہیں۔ ہم جس طرح لوگوں کو اس تحریک میں شریک کرنے کے لئے کوئی خاص کوشش نہیں کرتے، صرف قرآن کا پیغام ان تک پہنچاتے رہتے ہیں، اسی طرح، بزم سازی کے لئے بھی خاص جدوجہد نہیں کی جاتی۔ اسے ہم ان احباب کی صوابدید پر چھوڑ دیتے ہیں جو اس فکر سے متفق ہوتے ہیں۔ اس طرح متفق ہونے والے احباب کی اپنی سعی و کاوش سے حال ہی میں دو نئی بزموں کا قیام عمل میں آیا ہے جن کی توثیق کا اعلان، بزموں کے آئین کے مطابق ادارہ کی طرف سے ضروری ہوتا ہے۔

1- **بزم طلوع اسلام حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں بزم کا ایڈریس۔**

B-12 حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد۔ حیدر آباد

نمائندہ جناب ایاز حسین انصاری صاحب

2- **بزم طلوع اسلام کورنگی (کراچی) سندھ میں بزم کا ایڈریس۔**

ذیل سٹوری نمبر 16 گلشن مارکیٹ، کورنگی 5 - کراچی شرقی

نمائندہ جناب محمد سرور صاحب

ادارہ طلوع اسلام، ان بزموں کے قیام کی منظوری دیتا ہے، اور ان کے نمائندگان کے انتخاب کی توثیق کرتا ہے، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان بزموں کے ارکان اور نمائندگان کو قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کی بیش از پیش توفیق عطا فرمائے اور ان کی سعی و کاوش سے شمع قرآنی کی روشنی دور دور تک پھیلتی جائے۔ یہی ان کی اور ہماری کاوشوں کا صلہ ہو گا۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

(چیئرمین ادارہ طلوع اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"آؤ کہ کوئی خواب بُنیں کل کے واسطے"

(عظمت ناز)

وہ لائبریری میں بیٹھی بڑے انہماک سے فزیکل کیمسٹری پر دماغ سوزی کر رہی تھی۔ مگر Equation تھی کہ سمجھ کر بھی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ Equation کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف ہی تھی کہ اچانک ایک دھیمی مگر اداس سی آواز میں کسی نے اس سے پوچھا "معاف کیجئے گا' کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟ جی ضرور بلا سوچے سمجھے اس کے منہ سے نکلا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچتی موصوف اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ چکے تھے۔ پہلی ہی نظر میں یہ نوجوان قندیل کو کوئی اجڑا ہوا مایوس انسان دکھائی دیا۔ مگر اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ مزید اس کے حلئے پر غور کرتی۔ لہٰذا پھر سے پڑھنے لگی۔ کافی دیر بعد پھر ایک کمزور سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ ایک بار پھر اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہی حضرت اس سے کسی لفظ کے Spellings پوچھ رہے تھے جو اس نے فوراً بتا دیئے۔ وہ پھر پڑھنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد پھر پوچھا گیا "محترمہ آپ کیا پڑھ رہی ہیں" پہلے تو قندیل نے چاہا کہ کہہ دے کہ بھئی آپ کو اس سے کیا؟ آپ اپنا پڑھیں مگر اس کی مسکین سی شکل دیکھ کر اس نے ارادہ ترک کر دیا۔ اور کچھ سوچ کر بڑی سنجیدگی سے بولی "میں خیر سے کیمسٹری پڑھ رہی ہوں اگر آپ پڑھنے دیں گے تو"۔ اس نے گویا ایک ہی جملے میں دو باتوں کی وضاحت کر دی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شاید اب وہ حضرت مزید کوئی بات نہیں کریں گے۔ مگر کہاں! ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ وہ پھر بول پڑا۔ سنئے اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ سے ایک بات کہوں۔ اب تو گویا اسے یقین ہو گیا کہ یہ بھی ان ہزاروں لڑکوں میں سے ایک ہے جو لڑکیوں سے بات کرنے کے لئے بہانے بناتے ہیں۔ اس نے سوچا کہ اگر کوئی فضول بات کہے گا تو وہ اپنی سیٹ بدل لے گی۔ یہی سوچتے ہوئے اسے مجبوراً کہنا پڑا۔ "جی فرمایئے" جی وہ بات دراصل یہ کہ بات بہت لمبی ہے۔ اور میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میرے دل میں ہے کسی بھی انسان سے وہ ساری باتیں کہہ ڈالوں۔ ورنہ اس نفسیاتی کشمکش کی وجہ سے شاید میں اپنا ذہنی توازن کھو دوں گا۔

یقین کیجئے! میں اس وقت بہت مجبور ہوں میں ایک ایسا مسافر ہوں جس کی کوئی منزل نہیں۔ اس ذلیل معاشرے نے میرے ساتھ بہت سی بدسلوکیاں کی ہیں۔ میں ایک بکھرا ہوا انسان ہوں۔ میری فکری اور عملی صلاحیتیں بالکل مفلوج ہو چکی ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کونسا راستہ صحیح اور کونسا غلط ہے۔ میں نے زندگی کا ایک طویل عرصہ غلط راستے پر چلتے ہوئے طے کیا ہے۔ کبھی میں بھی جذبوں اور امنگوں سے بھرپور نوجوان تھا جس کا دل اپنے ملک و ملت کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھا۔ جس کی روح میں سچا مومن بننے کی تڑپ تھی۔ مگر آج وہ سارے جذبے ختم ہو

چکے ہیں۔ میں ان اندھیروں میں ڈوب چکا ہوں جہاں روشنی کبھی نہیں آتی۔ وہ ایک ہی سانس میں اتنا کچھ کہہ گیا کہ قندیل کے لئے کچھ کہنا مشکل ہو گیا۔ مگر اس دوران اس کی رگ تجسس پھڑک اٹھی تھی۔ وہ کافی حد تک Situation کو سمجھ چکی تھی اور اب وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک کر اس بات کا سراغ لگا رہی تھی کہ واقعی وہ سچ کہہ رہا ہے یا یونہی ایکٹنگ کا شوق پورا کر رہا ہے۔ مگر اس کے لہجے کی سنجیدگی اور آنکھوں سے جھلکتی ہوئی مایوسی نے اس کے خیال کو جھٹلا دیا۔

قندیل نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا کہ پلیز جلدی جلدی بات مکمل کریں میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ پائی کہ آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں۔ پلیز بات مکمل کریں! وہ بھی شاید مزید بات بتانے پر تلا ہوا تھا۔ فوراً بول پڑا۔ دراصل میں بہت تلخیوں سے گزر کر آیا ہوں۔ میری اب تک کی زندگی نے مجھے سوائے مایوسیوں کے کچھ نہیں دیا۔ گھر تو تھا مگر اس کا ماحول اتنا گھٹا ہوا تھا کہ میرے لئے وہاں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کالج میں رہا تو مسلسل ایک مذہبی جماعت جو اسلام کے نام پر ایک بدنما داغ ہے کے شکنجے میں جکڑا رہا۔ یہ جماعت مذہب کی آڑ میں مجھے اور میرے بہت سے دوسرے ساتھیوں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرتی رہی۔ میں نے اپنی زندگی کا سب سے بہترین وقت اس فریب میں گزار دیا کہ شاید اس طرح مجھے کوئی فائدہ حاصل ہو۔

میں نے اس ملک کی مذہبی اور سیاسی جماعتوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ سب کے سب اپنے اپنے مفادات کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ جبکہ عوام کسمپرسی کی حالت میں جہنم کی زندگی گزار رہے ہیں۔ میں ایک عرصہ تک اس مذہب کے نام پر بنائی جانے والی سیاسی جماعت کا ایک سرگرم کارکن رہا۔ اور قریب قریب تمام تخریب کاریوں میں ملوث بھی رہا۔ مگر پھر ایک حادثے نے میری زندگی بدل دی۔ میں نے ان لوگوں سے الگ ہونا چاہا مگر ایسا سوچنا تو آسان تھا مگر کرنا بہت مشکل۔ آخر میں نے ایک مضبوط فیصلہ کر لیا اور اپنے ساتھیوں سے Openly بغاوت کا اعلان کر دیا۔

اس جرم کی سزا کے طور پر مجھے زبردستی منشیات کا عادی بنا دیا گیا۔ محض اس لئے کہ میں نے ان سے کہا تھا کہ اگر تم نے مجھ سے کوئی زبردستی کی تو میں پریس کانفرنس بلا کے تمام حقائق کو بے نقاب کر دونگا کہ کس طرح تم نے مذہب کی آڑ لے کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک رکھی ہے۔ میں بتا دونگا کہ تم سب پس پردہ اسلحہ اور ہیروئن کی اسمگلنگ میں ملوث ہو۔ تم انتہائی منظم طریقے سے پاکستان کے دشمنوں سے گٹھ جوڑ کر کے اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہے ہو۔ اور یہ بھی کہ تم انسانی خون اور ہڈیوں کی اسمگلنگ میں ملوث ہو۔

اس بات پر مجھے چھ ماہ تک ایک دور دراز کے علاقے میں قید رکھا گیا۔ وہاں مجھے ہیروئن کا عادی بنایا گیا۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ میں اپنی پہچان تک بھول گیا تو کسی نے ترس کھا کر مجھے اس عقوبت خانے سے نکالا۔ میں گرتا پڑتا اس علاقے سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ کئی ماہ تک ایک خیراتی ہسپتال میں زیر علاج رہا۔ آخر کار صحت یاب ہو گیا۔ مگر اب میرے پاس نہ تو واپس لوٹنا ممکن ہے اور نہ آگے کوئی راستہ دکھائی پڑتا ہے۔ میری ہمت بالکل دم توڑ چکی ہے۔ اب میں نے خود کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کی آواز ٹھہر گئی۔ اتنے مضبوط اور سخت آدمی کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپکے اور اس کا سر جھک گیا۔ الفاظ دم توڑ گئے۔

قندیل پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کے جھکے سر کو دیکھتی رہی۔ وہ خود بھی تقریباً ساکت ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ہونٹ ہلے۔ کیا واقعی آپ نے خود کشی کا فیصلہ کیا ہے؟ جی ہاں۔ آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے میری بات سن لی۔ اب شاید میں سکون سے مرسکوں۔ یہ کہتا ہوا وہ آہستہ آہستہ چلتا ریڈنگ روم سے باہر نکل گیا۔

قندیل اچانک اٹھی اور تقریباً دوڑتی ہوئی لائبریری سے باہر نکلی۔ وہ ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اس نے آواز لگائی۔ پلیز میری بات سن لیں۔ وہ رکا۔ جی کہئے۔ دیکھیں میں نے آپ کی بات غور سے سنی اب آپ کو بھی میری بات سننی ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ میری بات سمجھ گئے تو میں یقیناً آپ کو دوبارہ زندگی کی طرف لا سکوں گی۔ میں آپ کو پھر سے جیتا جاگتا انسان بنا سکتی ہوں۔ لیکن پہلے آپ اپنا یہ فیصلہ بدلیں۔ یہ سراسر انسانیت کی شکست ہے کہ مسائل کا حل موت ٹھہرا لیا جائے۔ میں آپ کو بتاؤنگی اس روشنی کے بارے میں جو دل و دماغ کو روشن کرتی ہے۔

خاموش رہیں! مجھے الفاظ کا یہ مکروہ جال بننا نہیں آتا' وہ چلایا۔ یہ ہی وہ سب الفاظ ہیں جو میں اور میرے ساتھی دوسروں کو پھانسنے کے لئے بولتے تھے۔ آج میں ان الفاظ کے دھوکے میں کیسے آسکتا ہوں؟

محترمہ میں نے آپ سے صرف اس لئے بات کی تھی کہ مرنے سے پہلے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکوں۔ اگر زندہ رہنے کے لئے کسی سہارے کی ضرورت ہوتی تو میں خود تلاش کر لیتا۔ آپ مجھ جیسی بیکار چیز پر اپنا وقت ضائع مت کریں۔

قندیل نے پھر اسے تسلی دینا چاہی کہ آپ اس وقت جذبات کے ہاتھوں مغلوب ہیں اس لئے میری بات آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی۔ اطمینان سے بیٹھ کر میری بات سنیں تو یقیناً کوئی نہ کوئی حل ضرور نکل آئے گا۔ وہ پھر طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ شاید وہ سب کچھ بتا کر اب پچھتا رہا تھا۔ مگر قندیل بھی اپنی دھن کی پکی تھی۔ وہ لڑکی جس کے احساسات پھول کے کھلنے کی سی نزاکت لئے ہوئے تھے۔ اپنے سامنے کسی انسان کو مرتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کی مسلسل تاویلوں نے اسے قندیل کی بات سننے پر مجبور کر دیا۔ اور وہ یوں گویا ہوئی۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ آپ کے ختم ہو جانے سے آپ کے' میرے' آپ جیسے اور نوجوانوں کے' اس ملک کے' اس امت مسلمہ کے دشمن شکست کھا جائیں گے۔ ہرگز نہیں! آپ کی موت پوری انسانیت کی موت تو ہو سکتی ہے مگر انسان دشمن قوت کی موت نہیں ہو سکتی۔ سنئے غور سے سنئے زخم خوردہ آپ بھی ہیں اور میں بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ آپ نے کہہ دیا ہے اور مجھے ابھی کہنا ہے۔ میں اپنے دکھوں پر آنسو بہانے کی بجائے ان کے مثبت حل کو ترجیح دیتی ہوں۔ ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے آج کے مسلم نوجوان کے مسائل کیا ہیں؟ یہ کن لوگوں کے پیدا کردہ ہیں؟ ان مسائل کی موجودہ نوعیت کیا ہے؟ اور ان تمام مسائل کا حل کیا ہے؟ میرے خیال میں ہر ذی شعور شخص اس تلخ حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ ہمارا موجودہ معاشرہ کئی قسم کی سیاسی' سماجی' معاشی' معاشرتی اور مذہبی ناہمواریوں کا شکار ہے۔ ایک طرف مختلف سیاسی جماعتیں اپنے مفادات کے لئے لوگوں کو آپس میں لڑا رہی ہیں۔ تو دوسری طرف مذہب کے ٹھیکیداروں نے چھوٹے چھوٹے اختلافات کی بنیاد پر سینکڑوں فرقے بنا رکھے ہیں مصیبت یہ کہ ہر کسی کا دعویٰ ہے کہ سچا اسلام اسی کے پاس ہے۔ ہماری قوم کی اس جہالت کی وجہ سے قرآن کے پیش کردہ نظام کو جتنا نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی ہم تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی

نہیں کر پائے۔ لہٰذا نفرت و حسد کی آگ دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ اور ہم نے دنیا ہی میں اپنے لئے جہنم تیار کر لی ہے۔ صاحب کیا الٹا چکر چلا ہے۔ یعنی قرآن تو سیدھے سادھے انداز میں کہتا ہے کہ بھئی تم اپنے کردار یعنی اپنی ذات کی نشوونما قرآن کے عطا کردہ اصولوں کی روشنی میں کرو۔ مگر ہمارے مذہبی ڈاکو قرآن کی تشریح اپنے مفادات کے لحاظ سے کر دیتے ہیں۔ سب سے بڑی مصیبت یہ کہ پورا معاشرہ دولت کی غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے کئی کلاسز میں منقسم ہے۔ ملکی دولت چند کمپنیوں کے ہاتھوں میں قید ہے۔ ملک کی اکثریت غریب ہے۔ جہالت' بے علمی' بھوک ننگ عوام کا مقدر ہے۔ افراد میں تعلیمی شعور نہ ہونے کی وجہ سے انہیں اس بات کا قطعاً" احساس نہیں کہ چند مفاد پرست لوگ کسی طرح ان کے حقوق غصب کر کے خود عیش و عشرت میں مصروف ہیں۔ نتیجہ یہ کہ پورے معاشرے میں رشوت ستانی' اقربا پروری' لوٹ کھسوٹ' دھوکہ دہی' قتل و غارت' زنا' ڈاکے' چوری چکاری' ملاوٹ' بدامنی اور بے یقینی کی فضا قائم ہے۔ عوام کو اپنا جائز حق لینے کے لئے بھی ناجائز ذرائع استعمال کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کی حالت اس بیوہ کی سی ہے جو سہاگ کی پہلی رات بیوگی کا کفن اوڑھ لے۔ یہ قوم تو اس دن بیوہ ہو گئی تھی جب اس کا محافظ' حسن سیرت و کردار کا وہ عظیم سرچشمہ جسے تاریخ عمر فاروقؓ کے نام سے یاد کرتی ہے' اسے چھوڑ گیا۔ وہ خود تو زندگی کی اعلیٰ منازل کی طرف چلا گیا۔ مگر اس بیوہ (امت مسلمہ) کو پھر کبھی سہاگ کا جوڑا (یعنی دور اول کا قائم کردہ معاشرہ) نصیب نہ ہوا۔ ہر دور میں ملوکیت اس کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ سجاتی رہی۔ ہر عہد میں مکروہ' فریبی' سازشی' مفاد پرست' مذہبی پیشوائیت اس کی بدصورتی میں اضافہ کرتی رہی۔ ہر زمانے میں فیوڈل ازم' کیپیٹل ازم اس کی سانسیں ختم کرتے رہے۔ اور آجکل کہیں مارشل لاء اور کہیں مغربی جمہوریت اس کی عزت لوٹ رہے ہیں۔ اس تمام عرصے میں بہت کچھ بدلہ۔ حکومتیں بدلیں' چہرے بدلے' تاریخ بدلی مگر نہیں بدلی تو وہ غریب کی قسمت ہے جس پر کل بھی زمین تنگ تھی اور آج بھی تنگ ہے۔ یہ کیسا ظلم ہے۔ وہی کسان جو اپنے خون پسینے کی محنت سے فصل اگاتا ہے' زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم ہے۔

یہ ہیں وہ حالات جو آج کے مسلم نوجوان کو درپیش ہیں۔ ایک طرف معاشرے کی حالت یہ ہے تو دوسری طرف دین کا نظام اسے دنیا و آخرت دونوں میں جنتی زندگی کی بشارت دے رہا ہے۔ ہمارا نوجوان طبقہ جب دونوں میں یہ تضاد دیکھتا ہے تو اس کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کہ سچا کون ہے؟ موجودہ نظام زندگی یا قرآنی نظام۔ میری رائے میں قرآنی نظام یقیناً سچا ہے لیکن میرے پاس کوئی ثبوت نہیں کیونکہ دور دور تک پورے عالم اسلام میں کہیں بھی " الدین" کا نظام رائج نہیں کہ میں اسے بطور مثال پیش کر سکوں۔ مجبوراً مجھے صدر اول اور حضرت عمرؓ کے ادوار کا حوالہ دینا پڑتا ہے۔ فلک کی آنکھ پھر سے اس پہلے اسلامی معاشرے کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب ہے۔

وہ تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر گئی۔ وہ نوجوان بڑی حیرت سے قندیل کو دیکھ رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اس نے تو آج تک اس انداز میں سوچا ہی نہیں جس انداز سے یہ لڑکی اسے بتا رہی ہے۔ وہ اس حد تک متاثر ہو چکا تھا کہ خود ہی بولا۔ آپ بولتی رہیں میں مزید سننا چاہتا ہوں۔

وہ پھر بولی میں براہ راست آپ کو ملامت نہیں کرتی ہماری موجودہ نسل کی تربیت اسی قسم کے غیر قرآنی ماحول میں

ہوئی ہے لہٰذا نتائج بھی ویسے ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نوجوان مذہب اور مذہبی پابندیوں کے بوجھ کو اتار کر غیر مسلموں کی نقل میں مشغول ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ مسلمان تعداد میں اور وسائل کی فراوانی میں کسی طرح بھی دوسری قوموں سے پیچھے نہیں ہیں۔ اس کے باوجود اپنے اندرونی و بیرونی مسائل کے لئے غیر مسلموں کے محتاج ہیں۔ پورا عالم اسلام مل کر بھی بوسنیا' کشمیر' صومالیہ' فلسطین اور افغانستان کے مسائل حل نہیں کرا سکا۔ اس کی بنیادی وجہ مذہب (غیر قرآنی نظام) ہے۔

نوجوان طبقہ جب اس نقطہ نظر سے سوچتا ہے تو وہ مذہب کو چھوڑ دینے ہی میں اپنی عافیت سمجھتا ہے۔ مگر اسے چھوڑنے پر بھی جب مسائل حل نہیں ہوتے تو وہ اپنی فکری صلاحیتوں کو منفی انداز سے آزماتا ہے۔ اس کا ذہن کلاشنکوف چلانے اور مار دھاڑ کرنے کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے شعور کو منشیات' گھٹیا لٹریچر اور جنسی بے راہ روی کے انجکشن دے دے کر سلاتا ہے۔ ہمارے مسائل کی دوسری بنیادی وجہ ہمارے افراد میں جدید تعلیم کا فقدان ہے۔ دنیا جن حقائق کو ثابت کر کے آگے بڑھ چکی ہے ہم صدیوں سے انہی پرانی کتابوں کو پڑھ پڑھ کر ڈگریاں لے رہے ہیں نتیجہ یہ کہ پورے عالم اسلام میں کوئی ایک بھی ڈھنگ کا سائنسدان پیدا نہیں ہوا۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کا ذمہ دار کون ہے؟

کیا وجہ ہے کہ تیرہ سو سال گزرنے کے بعد سے آج تک کوئی مسلم ماں عمر فاروق جیسا بیٹا پیدا نہیں کر سکی جو تمام عالم اسلام کی راہنمائی کر کے انہیں مغربی اقوام کے آہنی شکنجے سے نکال سکے۔ کوئی اسلامی ملک اب تک صدیقؓ۔ عثمانؓ اور علیؓ جیسے افراد تیار نہیں کر سکا جو مسلمانوں کو پھر سے ایک مرکز کی طرف واپس لا سکیں۔ ایک بھی محمد بن قاسم پیدا نہیں ہوا جو ہندوؤں کے ہاتھوں اپنی قوم کی بیٹیوں کی عصمت بچا سکے۔ نہ کوئی اقبال پیدا ہوا جو تمہیں مذہب کی فسوں کاریوں سے آگاہ کر سکے۔ نہ ہی پھر کوئی ایسا پرویز پیدا ہوا جو تمہارے ازلی دشمنوں کو سر عام بے نقاب کر سکے۔ اور نہ ہی پھر کوئی محمد علی جناح پیدا ہوا ہے جو تمہاری راہنمائی کر کے تمہیں اپنے پیروں پر چلنا سکھا سکے۔

اب بتاؤ اے نوجوان کیا ان حالات میں بھی تم خود کو ختم کرنے کی سوچو گے یا اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے پر آمادہ ہو گے؟

اس نوجوان کا سر جھکا ہوا تھا۔ قندیل پھر بولی ہاں مجھے پتہ ہے تم پوچھو گے کہ اب ہم کیا کر سکتے ہیں؟ آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ تم کیا کر سکتے ہو یہ بات تو سو فیصد سچ ہے کہ تمہارے ہی نہیں دنیا کے تمام انسانوں کے ہر قسم کے مسائل کا واحد حل قرآن پاک ہی پیش کرتا ہے۔ تم نیوٹرل رہ کر ایک بار اس کا مطالعہ صرف موجودہ حقائق کی روشنی میں کرو تو یہ تمہیں زندگی عطا کرے گا۔ اگر ہر معاملے میں اس ضابطے سے راہنمائی لی جائے تو یہ تمہیں عزت و وقار سے جینا سکھا دے گا۔ پھر کبھی کوئی جوان ان خبیث سیاستدانوں کے ہتھے نہیں چڑھے گا۔ اس لئے یہ قرآن کا پیش کردہ سیاسی نظام اس کے سامنے ہو گا۔ پھر کبھی کوئی فرد اپنے مسائل کے حل کے لئے ان مذہبی ٹھیکیداروں' پیروں فقیروں' حجازیوں' بخاریوں' ملاؤں کی چوکھٹوں پر سر نہیں جھکائے گا۔ معاشی استحکام کے لئے کوئی مسلمان غیروں کی غلامی برداشت نہیں کرے گا کیونکہ اس کے سامنے قرآن کا معاشی نظام ہو گا۔

کیا ان حقائق کو جان کر بھی تم خاموشی سے مرجانا پسند کرو گے یا میدان عمل میں اترو گے؟ مرنا تو ہے ہی ایک دن مگر عزت کی موت مرنا خودکشی سے بہتر ہے۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میرے وطن میں رہنے والے اسوقت بدترین سیاسی' مذہبی اور معاشی نظام کا شکار ہیں جبکہ نوجوان نسل محض جذباتی باتیں کرنے میں مصروف ہے۔ اگر ہر نوجوان یہ سوچ لے کہ اسے اپنی قوم کو ان لعنتوں سے نجات دلانی ہے تو کوئی وجہ نہیں اور کوئی ایسی طاقت نہیں جو انہیں ایسا کرنے سے روک سکے۔ تم ایک بار مرد مومن بن کر تو دیکھو۔ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے تو دیکھو۔ دلوں کو رشتہ ایمان سے جوڑ کر تو دیکھو۔ دشمنوں سے مقابلہ کے لئے جہاد کا جذبہ اجاگر کر کے تو دیکھو۔ تم سارے جہانوں کو اپنے پیچھے چلا سکتے ہو۔

ایسا کرنے کے لئے پہلے تو عوام الناس میں تعلیم کو عام کرنا ہو گی۔ جب عوام میں شعور آئے گا تو وہ اپنے حقوق کی بازیابی کے لئے ان مکار' سازشی' غاصب' سیاستدانوں' ملاؤں اور ان خواص کی گردنیں مروڑ دیں گے۔ ہمارے مسائل کا واحد حل انقلاب ہے۔ جو اس صورت آسکتا ہے کہ ہماری Youth متحد ہو جائے اور جذبات سے نہیں عقل و فکر اور جذبہ ایمانی سے کام لے۔ موجودہ حالات سے سمجھوتہ کرنے کی بجائے انہیں بدلنے کی تدبیر کرے۔

میں نے شروع میں ہی آپ سے کہا تھا کہ زخم خوردہ میں بھی ہوں اور آپ بھی۔ دیکھا آپ کے اور میرے غم کی نوعیت ایک ہی ہے۔ یہ سارے دکھ جو میری ملت کو لاحق ہیں یہ میرے دکھ ہیں۔ میرا دل بھی ہر وقت غم میں روتا ہے مگر میں نے تو خود کو ختم کرنے کا فیصلہ نہیں کیا۔ میں تو ہر طرح سے قرآن کی آواز پر لبیک کہنے کو تیار ہوں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ چائے کی ٹیبل پر بیٹھ کر کبھی انقلاب نہیں آیا کرتے۔ انقلاب لانے کے لئے پہلے صحیح سمت کا تعین کرنا ہو گا ہماری منزل قرآنی نظام کا قیام ہے۔ ہمیں اپنے اندر افرادی قوت پیدا کرنا ہوگی۔ قوموں کے اندر قرآنی طرز کی نفسیاتی تبدیلی لانا ہو گی۔ ہمیں اپنے افراد کو اس بات کا شعور دلانا ہو گا کہ انقلاب اور انقلاب پسند مصلحت پسند نہیں بلکہ مہم جو ہوتے ہیں۔ ان میں اپنا زور بازو دکھا دینے کی طاقت اور حق کے لئے خون دینے کا جذبہ ہوتا ہے۔ آؤ مل کر ان خطوط پر سوچیں اس دھرتی پر ہزاروں افراد ایسی ہی کوششوں میں مصروف ہیں کہ اس ملک میں صحیح اسلامی انقلاب آئے مگر سب کے سب بکھرے ہوئے ہیں۔ آؤ میں اور تم مل کر انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کریں۔ اور ان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر اپنی مطلوبہ منزل کی طرف چلیں۔

وہ دونوں اپنی نشست سے اٹھ بیٹھے۔ اب وہ نوجوان ایک بدلہ ہوا نوجوان تھا جس کے لبوں پر یہ آواز تھی۔

آؤ کہ کوئی خواب بُنیں کل کے واسطے
ورنہ یہ رات آج کے سنگین دور کی
ڈس لے گی جان و دل کو کچھ ایسے کہ جان و دل
تاعمر پھر نہ کوئی حسیں خواب بُن سکیں

علوم قرآنی میں ایک عظیم انقلاب

ایک حجت ☆ ایک دلیل ☆ ایک برہان

"تفسیر منسوخ القرآن"

عہد آفریں - انقلاب انگیز - تاریخ ساز

علوم قرآنی کی صدیوں پر پھیلی ہوئی تاریخ میں اپنی نوعیت کی اولین کتاب جس میں پہلی بار قرآن محکم میں ناسخ و منسوخ آیات سے بے شمار علوم کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے- اور علم و منطق کی روشنی میں ہزاروں عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ قطعی طور پر ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں نہ الفاظ کا تغیر و تبدل واقع ہوا ہے نہ معانی و مفاہیم میں کسی طرح کا نسخ- اس کتاب میں ان تمام عظیم مسلمان مفکرین کی آراء کو جمع کیا گیا ہے جو قرآن کی راہنمائی کو ہر اعتبار سے برحق ثابت کرتے اور نسخ فی القرآن کے نظریہ کو روح اسلام اور نفسیات وحی کے منافی قرار دیتے ہیں- احکام القرآن کے موضوع پر اس سے جامع' مدلل اور سنجیدہ علمی کتاب اردو زبان میں آج تک نہیں لکھی گئی- کتاب کے مصنف علامہ رحمت اللہ طارق نے مکہ مکرمہ اور دمشق کے لاتعداد کتب خانوں میں علم القرآن' علم الحدیث' اسماء رجال' تاریخ' فقہ اسلامی' لغت' ادب اور نفسیات تمدن کے اتھاہ ذخیروں میں ڈوب کر ایک ایسا تحقیقاتی شاہکار ترتیب دیا ہے- جس پر علوم اسلامی اور عصر حاضر کی عملی دنیا بجا طور پر ناز کر سکتی ہے-

۹۰۰ سے زائد صفحات- ۶۶۹ منسوخ آیات کی تفصیل ۳۱۵ مستقل عنوانات جن کے ذیل میں سینکڑوں علمی مباحث' ہزاروں علمی اور مستند کتابوں کے مطالعہ کا نچوڑ' روشن کتابت افسٹ طباعت' عمدہ سفید کاغذ بڑا سائز- قیمت ۴۰۰ روپے

ملنے کا پتہ

دوست ایسوسی ایٹس

الکریم مارکیٹ' اردو بازار' لاہور

PAMPHLETS پمفلٹس

آرٹ پیپر کور (ART PAPER COVER) سے مزین کتابی سائیز میں' درج ذیل پمفلٹس' بحساب 3 روپے فی پمفلٹ (علاوہ ڈاک خرچ) ادارہ ہذا اور بزمہائے طلوع اسلام کے دفاتر سے دستیاب ہیں۔

قارئین نوٹ فرمالیں۔

ENGLISH

1. Genesis and Ideology of Pakistan.
2. Economics in the Social Structure of Islam.
3. Is Islam a Failure?
4. Islamic Ideology.

اردو

1- اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہے۔
2- اسلامک آئیڈیالوجی۔
3- کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟
4- رحمتہ للعالمینؐ
5- دنیا نظام محمدیؐ کے لئے بیتاب ہے۔
6- کیا ہم آزاد ہیں۔

ادارہ کا مقصد و مسلک (تازہ ایڈیشن) خریداران کو مفت فراہم کیا جائیگا۔

چیئرمین ادارہ

پاکستان میں

علامہ غلام احمد پرویزؒ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دن	وقت
1-ایبٹ آباد	595 کے۔ ایل کیہل۔ رابطہ: شیخ صلاح الدین	جمعتہ المبارک	10 بجے صبح
2-بورے والا	برمکان محمد اسلم صابر۔ مرضی پورہ گلی نمبر5۔ رابطہ فون: 2438	پہلا اور تیسرا جمعہ	9 بجے صبح
3-پشاور	دفتر جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ۔ کابلی بازار۔ رابطہ: 270737	ہربدھ و جمعہ	5 بجے شام
4-پشاور	برمکان ابن امین فقیر آباد	جمعتہ المبارک	4 بجے شام
5-پیر محل	مکان نمبر140/139- مدینہ پارک	ہرماہ پہلا جمعہ	9 بجے صبح
6-پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	جمعتہ المبارک	3 بجے سہ پہر
7-جہلم	برمکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد' جی۔ ٹی روڈ	جمعتہ المبارک	6 بجے شام
8-جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	10 بجے صبح
9-چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الہی کونسلر بلدیہ پیر بخش بازار	جمعتہ المبارک	بعد نماز جمعہ
10-چک 215 ای۔ بی	برمکان چوہدری عبدالحمید	جمعتہ المبارک	8 بجے صبح
11-حیدر آباد	گولڈن سینٹری' عثمان آباد	جمعتہ المبارک	10 بجے صبح
12-حیدر آباد	B-12 قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر	جمعتہ المبارک	بعد نماز عصر
13-ڈی۔ جی خان	مدینہ ٹائپنگ کالج' بلاک 2- کچہری روڈ	جمعتہ المبارک	10 بجے صبح
14 رجانہ	برمکان چوہدری ایس۔ ایم صادق' مین بازار	ہرماہ تیسرا جمعہ	10 بجے صبح
15 راولپنڈی	بمقام E-47/4385 اپر سٹوری ہائی وے آٹوز نزد پل لئی گوالمنڈی راولپنڈی فون: 74752	جمعتہ المبارک	4-30 بجے شام
16 سرگودھا	60- اے سول لائنز' ریلوے روڈ۔ رابطہ فون: 720083	جمعتہ المبارک	9 بجے صبح
17 سیالکوٹ	محمد افضل خلجی' ایبٹ روڈ۔ رابطہ فون: 87658	پہلا اور دوسرا جمعہ	10 بجے صبح

شہر	مقام	دن	وقت
18- فیصل آباد	23- سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک۔ فون۔ 42855	ہر جمعۃ المبارک	3-30 بجے شام
19- کراچی	چمن زاہد 19- بی بلاک 13- ڈی گلشن اقبال مقابل اردو سائنس کالج رابطہ خالد گل فون: 539798	جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح
20- کراچی	مکان 16 گلشن مارکیٹ 'C/36 ایریا کورنگی 5 رابطہ: محمد سرور' فون: 312631	جمعۃ المبارک	11-30 بجے صبح
21- کراچی	مکان E-282 قصہ کالونی نزد لودھی ہاؤس رابطہ: ڈاکٹر اسلم نوید۔ فون: 6660578	جمعۃ المبارک	4 بجے سہ پہر
22- کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ ایاز حسین انصاری رابطہ فون: 4571919	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
23- کراچی	مکان 1206- گلی 10- اے' بی 36' شریف کالونی۔ لانڈھی رابطہ: لطیف' فون: 310316	اتوار	8 بجے شب
24- کوہاٹ	بر مکان شیر محمد' نزد جناح لائبریری	جمعۃ المبارک	8 بجے صبح
25- گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ' سول لائنز	جمعۃ المبارک	بعد از نماز جمعہ
26- گجرات	مرزا ہسپتال' کچہری روڈ	جمعرات	3 بجے
27- لاہور	25- بی گلبرگ II (نزد مین مارکیٹ)	جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح
28- لیہ	رحمانیہ میڈیکل سنٹر	جمعۃ المبارک	بعد نماز مغرب
29 ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	جمعۃ المبارک	11 بجے صبح
30 مامون کانجن	بر مکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک 509 گ ب	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی دستیاب ہے۔

تحریک طلوع اسلام سے متعلق استفسارات مندرجہ بالا مقامات پر موجود کارکنان تحریک کے حوالہ کیجئے۔ جواب ادارہ سے براہ راست دیا جائیگا۔

DARS-E-QURAN

(Recorded Lectures of Allama Parwez (r)
BOOKS AND MAGAZINE TOLU-E-ISLAM ARE ALSO
AVAILABLE AT THE FOLLOWING PLACES.

1.	**CANADA** 716 The West Mall,Suit 1804 Etobicoke, ONT (416) 620-4471	First Sun 11AM
2.	**DENMARK** Nattergaleveg 98, St Tv., 2400 Copenhagen NV	Last Sat 2 PM
3.	Residence Ubaid-Ur-Rahman Arain Phone 5316273	Friday 6:15PM
4.	**NORWAY** Akeberg Veien-56, Oslo-6 Galgeberg, 4th floor	1st Sun 4PM
5.	**UNITED KINGDIM**	
(i)	**Birmingham** 229 Alum Rock Road	Sunday 3PM
(ii)	**London** 76 Park Road Ilford Essex Phone 081-553-1896	1st Sun 2:30PM
(iii)	**Yardley** 633 Church Road, Yardley, Birmingham B33 8HA (Phone 021-628-3718)	Last Sun 2PM
(iv)	**Essex** 50 Arlington Road, Southend-on-Sea ESSEX SS2 4UW, Phone 0702-618819	2nd Sun 3PM
(v)	**Yorkshire** Cardigan Community Centre 145-49 Cardigan Road LEEDS-6 Contact M. Afzal Phone 0532-306140	1st Sun 3PM
6.	**ON AIR** **Dars-e-Quran on TV-9** Oslo (NORWAY)	Thursday 21:00PM

PAMPHLETS: Foreign Bazms are requested to arrange collection of PAMPHLETS through members visiting Pakistan.

of Nature and the Quran'(. نفس واحده) is the fertilised ovum, from which every individual male or female originates. Any body interested can study the series of my articles in Tolu-e-Islam monthly .July 92 to May 93, for details.

SUMMARY :

Describing in nut shell, if this Big-Bang theory is true, the creation of the universe started with a REVOLUTION manifesting Allah's attribute of RAHIMIYYAT As far as the planet earth is concerned, the evolution got interrupted twice by the Appalachian and the Lazmide Revolutions respectively which separated Ancient life from the Middle life, and the Middle life from the Modern life, giving rise each time to entirely a new set of creation. However, the evolution continues and according to the Holy Quran, another REVOLUTION is bound to come which shall give rise to the 'Life Hereafter' with entirely a new creation, the nature of which is beyond our perception. Thus the life Hereafter shall be continuation of the present life.

YOUR CONTRIBUTION

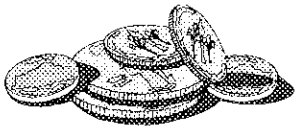

TOWARDS

GIFT FUND

IS AWAITED

Kindly pay your share immediately

REVOLUTION which produced the high mountain ranges of today's Himalayas, the Rocks the Andes and the Alps

The point that I want to impress up by the above description is that during the SIX ERAS of evolution. Revolution did take place which separated the Ancient life from the Middle life and the middle life from the modern life. when entirely a new set of plants and animals came in to being in these distinct Eras. For the people living in the modern world it is easy to understand what is meant by evolution The Quranic verses impress upon us that the process of evolution has been going on in the past interrupted here and there by revolution and that the life on each side of a revolution had a different shape from each other. Similarly, according to the Quran. another revolution is bound to come when the life called "The life here after" Shall be of a different shape Which we can not visualise now. The Mesozoic reptiles of the middle age, dinosaurs. Iethysausrs and pterosaurs could not have an idea of the shape of life in the modern world Belief in the Human Personality-- As the holy Quran teaches us. man is composed of two things. physical body and the human personality The physical body is controlled by physical laws and the human personality is controlled by laws revealed through the messengers of Allah Physical body is destructible. On the other hand, human personality has got potentialities. which when realised. make the developed personality indestructible

The development of human personality is controlled by human actions. This is a world of cause and effect. Every action has got its reaction. In other words every human action is rewarded. An act may be good or bad. A good act is one which is consistent with the Divine laws, a bad act is one which is inconsistent with the Divine laws. A good act produces a positive or constructive effect on human personality and a bad act has a negative and disintegrating effect. The act may be manifest or concealed it makes no difference. The reaction is automatic. as in other phenomena of nature Even an idea that flashes across the mind has its impact on the human personality The human body ends with the physical death while the developed human personality passes on to its next evolutionary stage in the life hereafter which shall occur after the promised Revolution when resurrection takes place The human personality may then be enclothed with a covering different from the present physical body. the nature of which is beyond our perception.

I have tried to explain above the question raised by Mr Asif Mohiudin. Yet. I do not insist on its being the final solution of the problem. Scholars of repute are requested to throw further light on the subject

One more verse which Mr Asif Mohiudin mentioned in his question i e (31 28) remains to be explained

The verse says Your creation and recreation is in no other way but from a single female life cell" (32 28)

The recreation mentioned in this verse is not related to resurrection. (نفس واحده) is a specific term It is a 2N unicellular stage in the life cycle of every organism produced by Sex Please See page 125 of my book "Phenomena

of the words that arise from a common root is the same, yet the words that come under the head of a particular 'Wazan' have got a distinct characteristic which differ from characteristic of the words which belong to the same root but to a different Wazan'. The words Rahman and Rahim arise from the same root which is (ر ح م), but each of those too words belong to a separate 'Wazan' The word Raheem belongs to the 'Wazan' (فعيل) and the word Rahman belongs to the wazan(فعلان) Any word that creates that sound or vocal expression of the word (فعيل)carries the concept of a happening which is slow and gradual ON the other hand, the word which creates the vocal expression of the word (فعلان) carries the concept of a happening which is sudden and violent Thus the verse (36:52) indicates that resurrection shall be a spontaneous revolutionary process The verses, previous to 36:52 also say emphatically that it shall be a sudden and a spontaneous occurrence.

Let us quote the whole passage from verse (36:48) to verse (36:52), in order to clarify the point further.

"Further, They say, "When will this promise (Come to pass), if what you say is true.? They will not (have to) wait for ought but a single Blast! It will seize them while they are yet disputing among themselves. No chance will they then have, by will, to dispose (off their affairs), nor to return to their own people (It means that this calamity shall occur when people are busy in their day to day affairs). Then the trumpet shall be sounded, when behold! from the sepulchers (men) will rushforth to their Sustainer " (36:48-52)

It is abundantly clear from the above that resurrection shall be sudden Revolutionary affair.

Now we reach the crux of the problem before us How can we compromise the two sets of the Quranic verses, those related to resurrection and evolution and those related to resurrection and revolution ---------- Allah is (رب العالمين) He provides sustenance to objects from their initial stage to the stage of their final destination. He can accomplish his creative, acts in both ways by means of evolution, as well as by means of revolution. IN order to clarify the issue let us place before us the events that took place during the SIX ERAS or (ستته ايام)The course of evolution has not been smooth and unbroken Some plants and animals evolved only to die millions of years later, never to reappear, others have persisted almost un-changed Major disturbances of the earth's crust caused important changes in geography and climate which in turn influenced the evolution and the distribution of plant life These disturbance separate the four eras of geographical history. The rocks formed during the period of time between disturbances are grouped together in distinct system. Thus the evidence deduced from the rocks and fossils reveals not only the general pattern of evolution in plant and animal life but the development of worlds oceans, contents and mountain ranges and rivers as well as changes in climatic condition. The transition from the Paleozoic (يوم الربع to Mesozoic الخامسة) dates to APLACHIAN REVOLUTION during which the mountain ranges of that time were built But now these mountain are already greatly reduced by erosions Similarly the transition between Mesozoic (middle life-يوم الخمسة) and Cenozoic (modern life) marked by LARMIDE

يوم السادسة

they may occur too fast or too slow. Living matter is interposed between these cycles and as the earth's components circulate, some of them become new materials for the use of living matter. A living organism is composed of both organic and in organic matter and it re-quires both for the maintenance of life. Any chemical that a living body requires as raw material is called a nutrient. Organic nutrients are also called food. The inorganic nutrients are drawn by the organisms directly from the physical environments and are used for the manufacture of organic metabolites inside their bodies. During life time the breaking process goes on side by side with the making up process and the organismses excrete waste products which are returned to the environment in the form of organic matter. After death the entire body of the organism undergoes decay which is caused by tropic bacteria and fungi. The organisms are thus transformed in to the same inorganic materials from which they were originally built and which are returned to environments to be reused as nutrients by some other organisms.

Living matter may therefore he considered as transient constructions built out of materials borrowed temporarily from the environments. The physical earth thus in spite of its contribution to the formation of living organisms, conserves all its material on long term basis and makes possible for life to be recreated indefinitely. This makes possible the recreation of life as and when it is required by the divine planning.

There are yet other verses of the Quran in which the evolution has been mentioned along with resurrection. But as it appears to me this does not mean that resurrection shall be an evolutionary process. Evolution is mentioned because for us living on the plane earth, evolution is more understandable process and from then we can understand Allah's bound less power of creation.

One finds in the Quran other verses which indicate that resurrection shall be a spontaneous revolutionary occurrence.

``They will say: Ah, woe to us, who has raised us from our beds of repose? (A voice will say)

``This is what the Rahman had promised and true was the word of the messengers of Allah," (36:51-52)

At yet another place it is said ``There verily the hour will come, There can be no doubt about (the fact) That Allah will raise up all who are in the graves." (22:7)

The word used in the verse (36:52) is RAHMAN. The Rahmaniyyat and the Rahimiyyat are the true attributes of Allah. In most of the English translations these words have been translated as `Merciful' and `Gracious'. But this does not signify the true import of these words. Arabic words arise from a `root' `called ` *mada* The words that originate from a particular root belong to different groups formed on the basis of their vocal expression. Such groups are called(**اوزان**) singular (**وزن**) or (**ابواب**)singular (**باب** -door). Although the meaning

``They say: ``What when we die and become dust and bones could we really be raised up again? Such things have been promised to us and to our fathers before this. They are nothing but the tales of the ancients." (23:82-83)

The same words are repeated in (56:47)

``The un-believers think that they will not be raised up (for judgment). Say: By our *Rabb*, you shall surely be raised up, then shall you be told (The truth) of all you did. And that is easy for Allah." (64:7)

From the verses described above it is abundantly clear that for the one who believes in the sovereignty of Allah, there is no going away from the fact, that resurrection shall certainly come to pass.

From now onwards we shall take those Verses in which the raising of the dead and the process of slow and gradual evolution come together.

``.... He forgets his own creation. He says: ``Who can give life to dry bones and decomposed ones?" (36:78)

``The day we roll up the heavens like a scroll ..... even as we produced the first creation, So shall we produce a new one, a promise that we have undertaken. Truly we shall fulfill it. (21:104)

``If you are in doubt about the resurrection then think about your own creation." (11:7)

The Quran says that the wonderful act of the creation of the universe in SIX ERAS is before them. Yet the non-believers deny the occurrence of entirely a new creation---

``It is he who created the heavens and the earth in SIX ERAS and his highest seat of authority was over the waters-- That he might try which one of you is best in conduct. But if thou were to say to them, you shall indeed be raised up after death, the non believers shall say: it is an obvious sorcery."

The Quran as well as the Science has divided the entire period of creation of the universe. into SIX ERAS. For clarification of what is meant by Six Eras please refer to my Book "Phenomena of Nature and Quran".

Life is not possible without water and water as mentioned in the above said verse, has always been the most important single component of living matter. Water took the role of a key which opened the door to life.

It is worth while, if I mention at this juncture how life and death continued to occur on the earth, one following the other---- The Quran says: ``It is the Divine law that causes the living matter to spring from the non-living and the non-living to spring from the living one."(6:96)

The environmental changes which occur in rhythmic patterned cycles are produced primarily by the heat of the sun and rotation of the earth. Seasonal climate changes are well known to all of us. But we may not be able to observe directly other environmental cycles, as their scale may be too big or too small, or

WHAT AFTER DOOMS DAY ?

(Dr. Syed Abdul Wadud answers a question raised by Mr. Asif Mohiud Din)

Question

According to Sura 21, Verse 102 and Sura 36, Verse 78-83 and Sura 31, Verse 28, The Quran seems to point to Re-evolution Process after Doomsday. What do you think of it?

Answer

The question appears to be incomplete. But what I understand from it, is that it means, ``Shall resurrection take place by a slow evolutionary process or other-wise?

When we study The Quranic verses related to resurrection, we find three different categories of such verses.

Those in which the non believers refuse to admit that resurrection shall occur but at the same time Allah the Almighty promises with certainty that it shall occur. These verses are as follows--

`They swear by their strongest oaths by Allah, that Allah will not raise up those who die- Nay but it is a promise (binding) on Him in truth, But most among mankind realise it not." (16:38)

``They say: `` there is nothing except our life on the earth and never shall we be raised again." (6:29)

On the other hand Allah says: ``As to the dead Allah will raise them up, Then they will be turned un to him." (6:36)

``They say: ``What when we are reduced to bones and dust, should we be really raised up (to be) a new creation? Say: ``(Nay) be you stones or iron, or created matter which in your mind is the hardest. (Yet shall be raised up). Then they will say: Who shall cause-us to return? Say: ` He who created you first " (17:51-52)

The hardest material referred in the above said verse is the fossil material which reaches the extreme of hardness due to exposure to extra heat and pressure in the depths of the earth.

``The non believers say: `There is nothing but our life in this world. We shall die and we live. But we shall never be raised up.again (23:37)